اہلِ حدیث

پر

احبابِ دیوبند کی کرم فرمائیاں

علامہ احسان الٰہی ظہیر

مقدمہ

حافظ عبدالحمید ازہر

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

اہلحدیث پر

احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

مقدمہ

حافظ عبدالحمید ازہر

مکتبۃ الفہیم مؤناتھ بھنجن یوپی

نام کتاب: اہلحدیث پر احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں
تالیف: علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ
سال اشاعت: جون ۲۰۰۸ء
تعداد اشاعت: ایک ہزار ایک سو
طابع وناشر: مکتبۃ الفہیم مؤناتھ بھنجن یوپی
کمپوزنگ: جمال کمپیوٹر، مئو۔ موبائل 9889127019
صفحات: 112
قیمت: روپے

مکتبۃ الفہیم مؤناتھ بھنجن

باھتمام
شفیق الرحمن، عزیز الرحمن

مکتبۃ الفہیم مؤناتھ بھنجن یوپی

Maktaba Al- Faheem
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Mau Nath Bhanjan(U.P)
Ph 0547- 2222013. Mob 9336010224(R) 2520197

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين، وخاتم المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين - أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو فکر وارادہ کی خصوصیت سے بہرہ مند فرما کر خلافت ارضی کی خلعت سے نوازا تو یہ بار امانت ان کے سپرد کرتے ہوئے ان پر واضح کر دیا گیا کہ تمہیں زمین کی پستی سے اٹھانے اور جنت کے ابدی مالک بنانے کے لئے فیض ربوبیت ارزاں وفراواں ہوگا۔

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرۃ/۳۸)

''جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا کہ) جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

سلسلۂ نبوت ورسالت کا مقصد

چنانچہ سلسلۂ نبوت ورسالت کا اجراء، اور صحائف وکتب کا نزول اسی وعدۂ الٰہی کا ایفاء تھا، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد انسانی قوت فکر ونظر کو جلا دینا اور عقل انسانی کو ٹھوکروں سے مامون ومحفوظ کرنا ہی تھا، اس لئے رہنمائی اور ہدایت کا پورا سامان ان کے ساتھ بھیجا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رسلنا بِالْبَيِّنَاتِ وَ أَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ.﴾ (الحدید/۲۵)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور ترازو اتارا تاکہ لوگ نظام عدل قائم کرسکیں۔''

نیز فرمایا:

﴿جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيْرِ.﴾ (فاطر/۲۵)

''ان کے پاس ان کی طرف بھیجے گئے پیغمبر کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔''

انبیاء علیہم السلام تقلید کی نہیں علم کی دعوت دیتے تھے

انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو اپنی ''تقلید'' کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ تھا:-

﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ.﴾ (آل عمران/۷۹)

''سب اللہ والے بن جاؤ کہ تم اس کی کتاب دوسروں کو سکھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو۔''

انبیاء علیہم السلام کی دعوت، تعلیم و تعلم، فکر و تدبر کی دعوت تھی اور ان پر نازل ہونے والی ہر آیت عقل و بصیرت کا خزانہ تھی حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ.﴾ (الاسراء/۱۰۲)

''تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ ان نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا، اور ان کے نزول سے مقصود تمہیں بصیرت سے آشنا کرنا ہے۔''

قرآن حکیم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:-

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف/۲۰۳)

''یہ قرآن تمہارے پروردگار کی جانب سے سامان دانش و بصیرت ہے اور مومنوں کے لئے سراسر ہدایت و رحمت ہے۔''

انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے فیض یاب ہونے والے خوش نصیب

انبیاء علیہم السلام کی دعوت بلا امتیاز تمام انسانوں کے لئے تھی، تاہم ان گنجینہ ہائے ہدایت وحکمت سے فیض یاب ہونے والے، اس نور بصیرت سے مستفید ہونے والے صرف وہ خوش نصیب تھے جنھیں رحمت باری تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے منتخب فرمالیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ. إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.﴾ (هود/ ۱۱۸-۱۱۹)

''اور وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر پروردگار رحم فرمائے، اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا قول پورا ہوگیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں (سب سے) بھر دوں گا۔''

اس اختلاف کے نتیجہ میں انسانوں کے دو گروہ بن گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ.﴾ (النحل/ ۳۶)

''اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر مبعوث کیا (یہ پیغام دے کر کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو، پھر ان میں بعض ایسے ہوئے جنھیں اللہ نے ہدایت سے نوازا، اور بعض ایسے ہوئے کہ ان پر گمراہی ثابت ہوگئی، سو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔''

رسولوں پر ایمان کے فیوض وبرکات

ہدایت نصیب گروہ وہ تھا جو ایمان سے بہرہ ور ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ

أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَااخْتَلَفُوا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (البقرۃ/۲۱۳)

''دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے (ان میں اختلاف ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرسنانے والے بنا کر مبعوث کیا، اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تا کہ لوگوں کے ہر اختلافی امر میں فیصلہ ہو جائے کتاب میں صاف احکام آجانے کے بعد لوگوں نے جن کو وہ دی گئی تھی جھگڑا کرنا شروع کردیا اور یہ صرف ضد اور عناد کے سبب ہوا، اس اختلاف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق کی طرف ہدایت عطا کی اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ.﴾ (یونس ۹)

''جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کا پروردگار ان کے ایمان کی بدولت ہدایت عطا فرماتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ.﴾ (التغابن ۱۱)

''اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا۔''

انبیاء ورسل کی غیر مشروط اطاعت اصل ایمان ہے

اور مومن وہ ہوتے ہیں جو انبیاء ورسل کی غیر مشروط اطاعت کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُوْلُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.﴾ (النور/۵۱)

''مومنوں کی تو بات صرف یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے

جائیں تا کہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور ہم نے مان لیا۔''

نیز فرمایا:

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. وَلَوْ أَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَکُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِیَارِکُمْ مَا فَعَلُوْهُ إِلاَّ قَلِیْلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوعَظُوْنَ بِهِ لَکَانَ خَیْراً لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِیْتًا. وَإِذاً لآتَیْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْراً عَظِیْماً. وَلَهَدَیْنَاهُمْ صِرَاطاً مُسْتَقِیْمًا. (النساء۔۶۵......۶۸)

''تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں تا وقتیکہ تمہیں اپنے تمام تنازعات میں منصف بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے دل میں تنگ نہ ہوں اور بخوشی مان لیں، اور اگر ہم ان پر اپنے آپ کو قتل کرنا یا اپنے گھروں سے نکل جانا فرض کر دیتے تو ان میں تھوڑے ہی یہ حکم بجالاتے، اور اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور دین میں ان کی مزید ثابت قدمی کا موجب ہوتا، اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجر عظیم عطا فرماتے اور سیدھی راہ کی طرف انھیں ہدایت عطا کرتے۔''

ایمان کی سعادت سے محرومی کے اسباب

۱-غرورِ علم ۲-تقلید آباء

انبیاء و مرسلین پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم گروہ دو طرح کے افراد پر مشتمل تھا:

مغرورین علم: -ایک تو وہ لوگ تھے جو غرور علم میں اس طرح غرق اور اپنی جہالت پر اس حد تک نازاں تھے کہ خود کو کسی قسم کی رہنمائی سے مستغنی سمجھتے تھے، وہ اپنی فطری پستی اور کوتاہ نظری کے سبب اپنے مزعومہ علوم و معارف پر اس قدر نازاں تھے کہ انھوں نے علوم نبوت اور ان کے معارف و حکم میں غور و فکر نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿**فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ.**﴾ (المؤمن/۸۳)

''پھر جب ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جوان کے اپنے خیال میں ان کے پاس تھا۔''

یہ لوگ پندار کی اس چوٹی پر پہنچ گئے جو ندائے حق کے دائرہ تاثیر سے باہر تھی:۔

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ﴾ (حم السجدۃ/۵)

''اور کہا کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے، تو سو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔''

مقلدین آباء واجداد: -دوسرا گروہ ایسا تھا جس نے خود کو اکابر پرستی کے حصار میں محصور کرلیا، جمود وتقلید ان کے رگ وریشہ میں اس طرح سرایت کرگئی کہ انھوں نے حقائق ودلائل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، اور اپنے آباء واجداد کے نظریات اور قیل وقال کو حرف آخر سمجھا، اور اس کے مقابل ہر حقیقت کو جھٹلا دیا۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ. أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ. بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ. وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ. قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ.﴾ (الزخرف/۲۰.....۲۴)

''انھیں اس بات کا کچھ علم نہیں وہ تو صرف اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے اس سے پہلے انھیں کوئی کتاب دی؟ کہ وہ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم انھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درست جارہے ہیں۔ اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے جو ڈرانے والا کسی بستی میں بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا ہم نے باپ دادوں کو ایک دین پر دیکھا ہے اور ہم انہی کی اقتداء کرتے رہیں گے، رسول نے (ازراہ

فہمائش) کہا اگرچہ میں تمہارے پاس وہ چیز لاؤں جو ہدایت میں اس سے بڑھ کر ہو جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، وہ بولے ہم اس پیغام کے منکر ہیں جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا۔"

وحی الٰہی پر مبنی اور توفیق ربانی سے نصرت وتائید یافتہ علوم نبوت کے مقابلہ میں معاندین کے مزعومہ علوم وفنون کی حیثیت ہمیشہ وہی رہی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ کے سامنے فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں کی ظاہر ہوئی، انبیاء ورسل علیہم السلام کے بصیرت افروز دلائل کے نیر تاباں کے سامنے تقلید کی شب دیجور ٹھہر سکتی تھی نہ ٹھہری، اس قسم کی آویزش کا نتیجہ محتوم ومعلوم ہی رہا، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ. وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ.﴾ (الصفت/۱۷۱،۱۷۲،۱۷۳)

"ہمارا پیغام پہنچانے والوں سے ہمارا پیشگی وعدہ ہے کہ وہ مظفر ومنصور ہوں گے اور ہمارے لشکر ہی غالب رہیں گے۔"

چنانچہ انسانی تاریخ کا ایک ایک ورق شاہد ناطق ہے کہ نبوت اور علوم نبوت کے مقابل آنے والے:۔

﴿جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِنَ الْأَحْزَابِ.﴾

(یہ بھی ایک لشکر ہے جہاں اور لشکروں نے شکست کھائی ہے یہ بھی ہزیمت نصیب ہے)

کی تفسیر بن کر رہ گئے، نمرود اپنی تمام ترکج بحثی اور چالاکی کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بصیرت آفریں دلائل کے سامنے مبہوت ہوا تو فرعون اپنی فرعونیت اور لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرقاب ہو کر سامان عبرت بنا، سلسلۂ نبوت ورسالت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کمال کو پہنچا، اور حضور ختمی مرتبت پر یہ نعمت اس شان سے پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا.﴾ (الفتح/۲۸)

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے اور اللہ کافی گواہ ہے۔"

کعبہ میں گاڑے گئے پتھر کے بتوں کو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ہٹایا اور دل و دماغ کے جھروکوں میں بٹھائے گئے غلو اور اوہام پرستی کے بتوں کو اپنی نورانی تعلیمات سے پاش پاش کیا اور اعلان فرمادیا:-

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً.﴾(الإسراء/٨١)

''حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا بے شک باطل نابود ہونے والی چیز ہے۔''

اور دین حق کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے والا ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اپنی زبان سے اعلان کرنے پر مجبور ہوئے

لعمرک إني يوم أحمل رايتي   لتغلب خيل اللات خيل محمد

لكا لمدلج الحيران أظلم ليله   فهذا أو انى حين أهدى فأهتدى

''قسم ہے میں جن دنوں جھنڈا اٹھائے پھرتا تھا کہ لات کا لشکر محمد ﷺ کے شہسواروں پر غالب آجائے اندھیری رات کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والے بھٹکے ہوئے پریشان کی مانند تھا، اب وقت آ گیا ہے کہ مجھے ہدایت نصیب ہو اور میں سیدھے راستے پر آ جاؤں۔''

اسلام دین قیم، اور حق تغیر نا آشنا ہے

نبوت ورسالت کا سلسلہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ پر مکمل ہوا تو دعوت حق کا علم علوم نبوت کے حاملین اور سنت مطہرہ کے عاملین کے سپرد ہوا اور شہادت حق ان کا وظیفہ وشرف ٹھہرا۔

لیکن دعوت کے مضمون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ اس کے اسلوب میں کوئی ترمیم کی گئی اس لئے کہ حق تغیر نا آشنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُوْنَ.﴾(الروم-٣٠)

تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کئے رہو، اللہ کی پیدا کی ہوئی اس چیز میں تغیر وتبدل روا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

دعوت اسلام کی بنیاد بصیرت وتعقل پر ہے تقلید پر نہیں

دعوت کی بنیاد بصیرت اور تعقل پر تھی اور اسی پر رہی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ أَدْعُوا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي. ﴾ (یوسف/۱۰۸)

''(اے نبی) کہہ دو میری راہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں از روئے یقین و برہان، سمجھ بوجھ کر میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی۔''

اختلاف رونما ہونے کی صورت میں مرجع وفیصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی رہے، چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا. ﴾ (النساء ۵۹)

''پھر اگر کسی شئے میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لے جاؤ، اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔''

استفتاء کے آداب

ناواقف اور بے علم لوگوں کا علماء کی طرف رجوع کرنا طبعی اور فطری امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فإنما شفاء العي السؤال'' (أحمد، ابوداؤد) ''یعنی ناواقفی اور جہالت کا مداوا پوچھ لینے میں ہے'' تاہم اہل علم سے استفادہ کرنے والوں کو استفتاء کے آداب سکھاتے ہوئے بتادیا گیا کہ سوال کا انداز کیا ہونا چاہئے، اور کس قسم کے جواب میں تشفی کا سامان ہوتا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ. ﴾ (النحل/۴۳)

''اگر تم دلائل کا علم نہیں رکھتے تو ان کے متعلق علماء سے سوال کرو۔''

قطعی نصوص کے بالمقابل اندھا دھند تقلید شرک اور کفر کا راستہ ہے

''بینات اور زبر'' سے ہٹ کر بے بنیاد آراء الرجال کی محض عقیدت کی بنا پر اندھا دھند

تقلید کو شرک اور کفر بتایا گیا، یہود ونصاری کی فرد جرم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾ (توبۃ/۳۱)

''انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا معبود بنالیا۔''

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی دعوت کا بیڑہ اٹھانے والوں اور ان کی غیر مشروط اطاعت کرنے والوں کو اس ایمان اور فرمانبرداری کی بدولت کئی نعمتوں سے وافر حصہ ملا۔

۱- **ہدایت و استقامت:** چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے اسوہ کاملہ کی مکمل اتباع اور مشکوۃ نبوت سے کسب انوار کی بدولت انھیں زیغ وزلل کا کھٹکا ہی نہ رہا، بلکہ قرآن نے ان کے ہادی ومہتدی ہونے کی ضمانت بھی دی۔ وکفی باللہ شہیدا. ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا.﴾ (النور/۵۴)

''اگر اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت پر ہوگے۔''

نیز فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (الاعراف/ ۱۵۸)

''کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تا کہ ہدایت پالو۔''

۲-رحمت:

رسول اکرم ﷺ کا وجود مسعود سراسر رحمت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ﴾ (الانبیاء/۱۰۷)

''اے پیغمبر ہم نے تجھ کو سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إنَّما أنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ." (الدارمی)

"یعنی میں مجسم رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو بطور ہدیہ دی گئی۔"

تاہم رحمت مجسم ﷺ سے کامل طور پر مستفید ہونے کا شرف اور رحمت الٰہی کا بجا طور پر امیدوار اور مستحق ہونا صرف اس مقدس گروہ کی قسمت میں لکھا گیا جو اطاعت رسول ﷺ کا دم بھرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (آل عمران/۱۳۲)

"اور اللہ اور رسول ﷺ کی فرماں برداری کرو اس امید میں کہ تم پر رحمت ہو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَأَقِيْمُوا الصَّلاَةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (النور/۵۶)

"نماز کی پابندی کرو، زکوۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔"

۳-فتح ونصرت:

دعوت حق میں انبیاء علیہم السلام کے اسلوب و منہج سے کامل وابستگی کی بدولت انھیں تائید ایزدی سے نوازا گیا اور ہمیشہ فتح مبین ان کا مقدر رہی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَيَّدْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِيْنَ.﴾ (الصف/۱۴)

"اور ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں نصرت و تائید سے نوازا اور وہ غالب ہو گئے۔"

الصادق المصدوق ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے انھیں مظفر و منصور رہنے کی بشارت دی گئی، ارشاد ہوا:

"لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَوَّامَةً عَلَى أمْرِ اللّٰهِ لاَ يَضُرُّهَا مَنْ خَالَفَهَا" (ابن ماجہ)

"میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی جو حکم الٰہی پر سختی سے قائم ہوگی، اس کی مخالفت کرنے والے اسے کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔"

یہ بشارت ان الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہے:

"لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِيْنَ لاَ يَضُرُّهُمْ خُذْلاَنُ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ." (ابن ماجۃ ،ابن حبان)

''میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جسے اللہ کی نصرت حاصل ہوگی، ان کا ساتھ چھوڑنے والے ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ قیامت قائم ہو جائے۔''

اور کبھی یوں فرمایا:

"لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ" (صحیح مسلم)

''میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم ہوگا اور ہمیشہ غالب رہے گا، ان کا ساتھ چھوڑنے والے ان کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ حکم الٰہی (روز قیامت) آجائے گا اور وہ اسی حالت میں ہوں گے۔''

اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں

نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی یہ پیشین گوئی جس میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلہ کی اطلاع دی گئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور اس شان سے پوری ہوئی کہ اس جماعت کے بارے میں کبھی التباس وخفاء اور کسی قسم کا ابہام نہیں رہا، بلکہ یہ جماعت مبارکہ لیلۃ البدر کے چانداور نصف النہار کے سورج سے بھی زیادہ ظاہر رہی، عبداللہ بن مبارکؒ جیسے زاہد ومجاہد، یزید بن ہارون جیسے ثقہ محدث اور علی بن مدینی جیسے ماہرین فن حدیث اور امام بخاری جیسے نابغۂ زمان متفق اللسان ہیں کہ یہ مظفر ومنصور اور فتح نصیب جماعت اہل حدیث ہی ہیں۔

(ملاحظہ ہو شرف اصحاب الحدیث صفحہ ۱۴ومابعدہ)

اس موفق ومبارک جماعت کے ایک ایک فرد نے دین حق کے مخالفین اور جادہ حق سے انحراف کرنے والوں کے لشکروں کے لشکر تاراج کردیئے، امام اہل السنۃ والجماعۃ ابوعبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تن تنہا تجہم واعتزال کی قوتوں کو اس وقت شکست فاش دی جب اسے کو عباسی سلطنت اور اس کی تمام تر سطوت وشوکت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی، امام موصوف نے جس

استقامت سے یہ جنگ لڑی وہ تاریخ دعوت وعزیمت کا سنہری باب ہے،ان کے جسم مبارک پر لگنے والا ہر کوڑا ظن وتخمین پر مبنی اصول وقواعد کے بت تراشنے والوں اور کتاب وسنت کی نصوص کو حیلوں بہانوں سے پس پشت ڈالنے والوں کی منحوس ونامبارک تحریک کے تابوت میں کیل بن گیا۔

امام المؤمنین، وامام الدنیا فی الحدیث ،فقہاء محدثین کے سرخیل، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف شریف ''**الجامع الصحیح المختصر من أمور رسول الله صلی الله علیه سلم وسننه وأیامه**'' **واصح الکتب بعد کتاب الله** کا اعزاز پا کرامت کی پیشانی کا جھومر بن چکی ہے، محض ایک کتاب نہیں، وہ تشنگان علوم سنت کے لئے چشمہ تسنیم و سلسبیل ہے تو خیر الہدی اور اسوۂ حسنہ کی راہ کے سالکوں کے لئے منار السبیل ہے،اور اجتہاد کو ائمہ اربعہ میں مقصود ومحدود قرار دے کرامت محمدیہ علی سیدھا الصلوٰۃ والسلام پر علمی بانجھ پن کی تہمت لگانے والوں کے مقابلہ میں مسکت دلیل اور فتنوں کے سیل یاجوج ماجوج کے سامنے سد سکندری ہے جس کے ساتھ تفریق فی الدین کی مذموم سازش، شریعت میں رخنہ اندازی کی کوشش، دلدادگان تاویل وتحریف کی شوریدہ سری اور تقلید جامد اور مذاہب کی حمیت جاہلیت کے فتنے رہتی دنیا تک اپنا سر پھوڑتے رہیں گے۔

بعد کے زمانوں میں بھی اسی مبارک جماعت کے سرکردہ علماء وفقہاء تجدید واحیاء دین کا فریضہ انجام دیتے رہے،امام احمد بن حنبلؒ نے اسی نعمت وتوفیق کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا ہے:

''**الحمد لله الذی جعل فی کل زمان فترة من الرسل بقایا من أهل العلم یدعون من ضل إلی الهدی ویصبرون منهم علی الأذی یحیون بکتاب الله عزوجل الموتی ویبصرون بنور الله أهل العمی فکم من قتیل لإبلیس قد احیوه وکم من ضال تائه قد هدوه فما أحسن أثرهم علی الناس وأقبح أثر الناس علیهم، ینفون عن کتاب الله تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین.**''

(الرد علی الجهمیة)

''اللہ کا شکر ہے جس نے رسولوں میں وقفہ کے دوران ہمیشہ ایسے اہل علم پیدا فرمائے جو گمراہوں کو راہ ہدایت کی طرف دعوت دیتے رہے، اور ان کی ایذا رسانیوں کے باوصف صبر کا

مظاہرہ کرتے رہے، کتاب اللہ کے علوم کے ذریعہ مردہ دلوں کی حیات کا سامان کرتے رہے اور اللہ کے نازل کردہ نور شریعت کے ذریعہ اندھوں کو بصارت دیتے رہے، ابلیس کے کتنے ہی مارے ہوؤں کو انھوں نے زندہ کیا، اور کتنے ہی بھٹکے ہوؤں کو انھوں نے راہ راست دکھلائی، ان کا لوگوں پر کتنا اچھا اثر ہے اور لوگوں کا ان سے رویہ کس قدر برا ہے؟ یہی لوگ ہیں جو غالیوں کی تحریف، باطل پرستوں کی دروغ بافی اور جاہلوں کی ہیرا پھیری سے کتاب اللہ کو محفوظ و مامون رکھتے ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تجدیدی کارنامے

چنانچہ ساتویں صدی ہجری میں جب اعتقادی بدعات نے انگڑائی لی، رفض و اعتزال نے پھر سے سر اٹھایا اور مذہبی عصبیت اور تقلید و جمود نے بھی اپنا رنگ جمایا تو اس پرآشوب دور میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے علوم کتاب و سنت کی شمع جلائی، اور وہ اس شان سے میدان میں اترے کہ ان کا قلم اس جنگ میں تلوار ہو گیا، انھوں نے ایک ایک فتنے کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، ان حضرات کے یہ کارنامے کسی شہادت کے محتاج نہیں، بلکہ:

آفتاب آمد دلیل آفتاب

کے مصداق اور روز روشن کی طرح آشکار ہیں، حافظ ابن قیمؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

و إذا اردت ترى مصارع من خلا	من أمة التعطيل والكفران
و تراهم اسرى حقير شأنهم	أيديهم غلت إلى الأذقان
و تراهم تحت الرماح دريئة	ما فيهم من فارس طعان
وتراهم تحت السيوف تنوشهم	من عن شمائلهم وعن أيمان
و تراهم والله ضحكة ساخر	و لطالما سخروا من الإيمان
فاقرأ تصانيف الإمام حقيقة	شيخ الوجود العالم الرباني
اعيني أبا العباس أحمد ذلك	البحر المحيط لسائر الخلجان

اگر کبھی تمہارے دل میں اہل کفر و تعطیل کے کشتوں کے پشتے دیکھنے کی خواہش پیدا ہو اور ان کے سرداروں کو ذلیل و خوار، زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھنا چاہو اور انھیں سپاہ اسلام کے

نیزوں کی انیوں کے سامنے بے بس ولا چار دیکھنے کی تمنا رکھتے ہواور دائیں بائیں سے اہل حق کی شمشیروں کے سامنے گھرے ہوئے نخچیر کی طرح دیکھنا چاہتے ہو، اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق اڑانے والوں کو خود تماشا بنے ہوئے دیکھنا پسند کرو تو امام برحق، شیخ الوجود، عالم ربانی ابوالعباس احمد بن تیمیہؒ کی تصانیف کا مطالعہ کرو، وہی بحر بے کراں جو سب دریاؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اس مقدس جماعت کے چودہ صدیوں پر محیط اور مسلسل کارناموں کا استقصاء مقصود ہے اور نہ ممکن، اس وقت صرف یہ ذکر کرنا پیش نظر ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اہلحدیث ہی وہ مسعود و پاکباز گروہ ہے جس نے ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق دین حنیف کی خدمت انجام دی، حفظ و تدوین حدیث کا مرحلہ ہو، یا فہم نصوص اور اصول فقہ و اجتہاد کی تشکیل و ترتیب کا، بیرونی حملوں سے کشور اسلام کے دفاع کا معاملہ ہو یا اندرونی شورش سے نمٹنے کا، ہر مقام پر اس جماعت نے اپنا فریضہ پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بطریق احسن اس سے عہدہ برآ ہوئی، اور ہدایت، رحمت اور نصرت کی مستحق ٹھہری۔

علوم نبوت کے وارث اور دعوت ختم الرسل ﷺ کی امین و علمبردار اس جماعت کی مخالفت بھی انھیں خطوط پر ہوئی جن پر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوئی تھی۔

اہل حدیث کے مخالفین کے دو گروہ

ایک گروہ خانہ ساز قواعد کو قطعی دلائل قرار دیتا اور پھر نصوص کتاب وسنت کو ان سے متصادم قرار دیتا ہے، تاویل کے نام پر تحریف سے بھی کام نہ بنتا تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ آیات واحادیث کو ٹھکرا دیتا۔

تو دوسرا گروہ

﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا.﴾

''ہم تو انہی باتوں پر چلیں گے جن پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو چلتے ہوئے پایا۔''

کی ہٹ پر قائم رہنے ہی کو سب سے بڑی دلیل اور فلاح فی الدارین کی شہ کلید باور کئے ہوئے تھا۔

جب نقشہ قدیم تھا تو نتیجہ مختلف نہیں ہوسکتا تھا، حقائق کے سورج کے سامنے تکبر، نخوت،

جہالت پر غروراور تقلید و جمود کی شب دیجور کیسے ٹھہر سکتی تھی، ہزیمت ان کا مقدر بن گئی، ائمہ مجتہدین کے نام پر امت کو تقسیم کرنے والے بہت سے فقہاء شعوری یا غیر شعوری طور پر ان درآمدی نظریات سے متاثر تھے، ان کا تاثر مذاہب کے اصول فقہ کی وساطت سے فروغ تک جا پہنچا اس لئے یہ گروہ بھی ان گمراہ فرقوں کے قائم کردہ مفروضوں سے تاثر کے تناسب سے ہدایت، رحمت اور نصرت سے دور اور محروم ہی رہے:

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلاً.﴾ (الاحزاب/۶۲)

''ان سے اگلے لوگوں میں اللہ کا یہی دستور رہا اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز ردوبدل نہ پاؤگے۔''

اگر کسی نے ان کی غلط روش پر متنبہ کرتے ہوئے انھیں راہ راست دکھانے کی کوشش کی تو یہ:

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَ نَا عَلٰى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ.﴾ (الزخرف/۲۲)

''ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی ان کے نقش قدم پر درست جارہے ہیں۔'' کہہ کر اپنی گمراہی پر مصر رہے۔

مقلدین کی خوش فہمی اور خودفریبی

اگر انھیں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرکے امت کا شیرازہ متحد کرنے اور رحمت الٰہی کا مستحق بننے کی دعوت دی گئی تو یہ لوگ اختلاف ہی کو باعث رحمت ثابت کرنے لگتے ہیں، اور اس باب میں ''اختلاف أمتي رحمة'' کے خانہ ساز جملے کو غلط طور پر حدیث رسول ﷺ مشہور کرنے لگے، اور جب استدلال کے میدان میں منہ کی کھائی تو شکست کے زخم مندمل کرنے اور وابستگان دامان تقلید کا احساس ہزیمت مٹانے اور اپنے گروہ کی برتری ثابت کرنے کے لئے من گھڑت داستانیں مشہور کیں، اور کبھی ایسے معرکوں کی روداد بیان کی جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئے، اور کبھی واقعات کو توڑ مروڑ کر شکست کو فتح کا نام دینے کی کوشش کی، اگر ان سب باتوں کی مثال یکجا دیکھنا ہو تو خود کو حنفی کہلانے والے حضرات کو دیکھ لیجئے کہ:

یار ما ایں دارد و آں نیزھم

امام ابوحنیفہؒ کی فقہی مجلس کا شوشہ

افسانہ طرازی کا یہ سلسلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی پارلیمنٹ کے شوشے سے شروع ہوا، حنفی مذہب کے ان نادان دوستوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اس طرح سے وہ اپنے گراں قدر ائمہ کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کر پائیں گے، کیونکہ فقہ حنفی کے اصول وفروع پر نگاہ ڈالے بغیر کوئی شخص اس حکایت پر ایمان بالغیب لے آئے تو اور بات ہے ورنہ جس کسی نے اس فقہی عجائب خانہ کو سرسری نظر سے بھی دیکھا ائمہ مذہب کے بارہ میں حسن ظن کی دولت سے ہاتھ دھوئے بغیر نہ رہ سکے گا، بلکہ اسے مقدور ہو تو اس مزعومہ مجلس شوریٰ کے ہر مبینہ رکن عالی مقام سے پوچھے گا۔

یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا ؟

اس کے بعد داستان سراؤں نے امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مابین رفع الیدین کے موضوع پر ایک مناظرہ کی روداد تصنیف کر ڈالی، جس کا ایک ایک لفظ اسے گھڑنے والے کی دروغ بافی پر شاہد ہے، امام صاحبؒ کے منھ سے جو الفاظ اس داستان گو نے نکلوائے ہیں سنت نبوی کے تشریعی مقام اور اس کی عظمت و اہمیت کا ادنیٰ شعور رکھنے والا کوئی شخص انھیں زبان پر لانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

افسوس ہے کہ حضرات مقلدین فرط تعصب میں اس حکایت کو فخریہ بیان کرتے چلے آتے ہیں، حالانکہ اس میں حضرت امام صاحب کا جو رویہ پیش کیا گیا ہے وہ ان کے مقام ومرتبہ، نیز علمی مسائل میں گفتگو کے آداب اور وقار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

علماء کرام نے ان افسانوں اور داستانوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے تاہم تائید مذہب بذریعہ حکایات کی محنت جاری رکھنے والوں نے بھی ہمت نہیں ہاری...... یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ہمارے زمانے میں قرعہ فال مولانا ظفر احمد تھانوی کے نام نکلا انھوں نے ایک نوجوان کا قصہ تحریر فرمایا ہے جو سہارن پور کے مدرسہ حنفیت کا فیض یافتہ تھا لیکن کسی کی نظر بد لگنے سے اہل حدیث ہو گیا تھا، پھر مولانا کی تدبیر بلکہ تقریر دلپذیر کی برکت سے دوبارہ مشرف بہ حنفیت وتقلید ہو گیا۔

پورا قصہ پڑھ کر بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ مولانا کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں، پورا مضمون

اول سے آخر تک احساس شکست کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں، اگر انھیں حنفیت کے پائے چوبیں کو باتمکین ثابت کرنے کے لئے واقعی کچھ دلائل میسر آہی گئے تھے تو ان سوالوں کے جوابات مرحمت فرمانے کی زحمت گوارا کرتے جن کے جواب میں امام محمد بن حسن الشیبانی کو امام شافعیؒ کے سامنے ساکت پانی کی طرح خاموش ہونا پڑا تھا، اعلام الموقعین کے اصولی وفروعی مباحث صدیوں سے مقلدین اور تعصب مذہبی کے مبلغین کو مبارزت طلب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی معیار الحق اور الارشاد میں اٹھائے گئے سوالات کب سے تشنۂ جواب ہیں اور پوری امت تقلید دم بخود اور مبہوت ہے، مولانا نے ہمت فرمائی بھی تو قرض چکانے کی بجائے اپنے خود ساختہ تلمیذ کا قصہ اس انداز سے سنانا شروع کیا کہ ؎

خود ہی قاتل خود ہی شاہد، خود ہی منصف

بن کر بیٹھ گئے۔

اس حکایت کو مکمل طور پر مبنی بر حقیقت بھی فرض کرلیا جائے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد بے چارہ ؎

سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

اور حدیث عہد بالحنفیہ ہونے کے باعث سہارنپوری اثرات سے پوری طرح نجات نہ پاسکا تھا، اور اسے قرآن کے متعلق حنفیہ کے اساطین اسلاف واخلاف کی روش کا ادراک نہ تھا، سادگی یا خوش عقیدگی کی بنا پر یہ باور کئے ہوئے تھا کہ اہل حدیث کا اختلاف صرف عمل بالحدیث الصحیح تک محدود ہے، اور اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ احناف اختلاف کا عقیدہ وعمل قرآن کے متعلق بھی حدیث نبوی کے بارے میں ان کے طرز عمل سے مختلف نہیں بلکہ اس میں بھی ان کی روش علماء اہل کتاب کے مشابہ ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ.﴾

''کیا کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔''

اور

﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ.﴾

''وہ تو صرف اپنے اٹکل اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔''

یہی ان کا وطیرہ ہے۔

کیا ارشاد فرمایا؟ کہ ''اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے۔'' اگر وہاں سچ مچ اہل حدیث طالب علم ہوتا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکتا۔

لا تبهتوا أهل الحديث فما به ذا قولهم تبا لذى البهتان

''اہل حدیث پر تہمت طرازی نہ کرو کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو ان کا قول نہیں ہے، ناس ہو بہتان طراز کا۔''

اہل حدیث پر ناحق زبان طعن دراز کرنے کے شوق میں حضرت کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ قرآن تو احسن الحدیث ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ اہل الحدیث کا مرجع اول نہ ہو، اہل الحدیث والسنۃ کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو بھی وحی سمجھتے ہیں، اس لئے کہ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ. إِن هُوَ اِلَّا وَحيٌ يُوحىٰ.﴾ (النجم/۳،۴)

''وہ نبی ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔''

سنت رسول ﷺ کی محبت واتباع نے ان کے سینے اس قدر منور کردیئے ہیں کہ جس جس مقام پر اہل زیغ وزلل کو قرآن وسنت متعارض نظر آتے ہیں یہ حضرات انفاس رسول ﷺ کی برکت سے دونوں کی مطابقت کا علم یقین حاصل کر کے ایمان کو قوی کرتے ہیں، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (آل عمران/۷)

''جو پکے عالم ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور عقل والوں کے سوا لوگ سمجھانے سے نہیں سمجھتے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (الحج/۵۴)

''اور اس لئے کہ اہل علم یقین کرلیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب ہی کی طرف سے حق

ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اوران کے دل اس کی طرف جھک جائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔"

قرآن وسنت میں تعارض ناممکن ہے

اس بات پر ایمان لانے کے بعد کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغامبر ہیں، ان کے فرامین مبنی بروحی الٰہی ہیں، قرآن وسنت میں ٹکراؤ چہ معنیٰ دارد۔

اس مسئلہ میں اہل حدیث کا موقف واضح اور دوٹوک ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"فمن قبل عن رسول اللہ ﷺ فعن اللہ قبل لماافترض اللہ من طاعته فيجمع القبول لما في كتاب اللہ وسنة رسول اللہ ﷺ القبول لكل واحد منهما عن اللہ و إن تفرقت فروع الأسباب الى قبل بها عنهما كما أحل وحرم وفرض وحد بأسباب متفرقة كما شاء جل ثناؤه لايسأل عما يفعل وهم يسئلون."

(الرسالة ۳۳)

"جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا، اس لئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے، اس اعتبار سے عمل کتاب اللہ پر ہو یا رسول اللہ ﷺ کی سنت پر، منبع ایک ہونے کے سبب سے فرمانبرداری اللہ کی ہی ہوتی ہے اگرچہ اس کا ہم تک پہنچنے کا ذریعہ الگ الگ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حلت، حرمت، فرائض اور حدود بیان کرنے کے لئے اپنی عکمت بالغہ کے مطابق مختلف طریقے اختیار فرمائے، رب ذوالجلال والاکرام سے پوچھا نہیں جاسکتا (کہ اس نے یہ طریقہ اختیار کیوں کیا اور دوسرا کیوں نہیں کیا) البتہ مخلوق سے سوال ہوگا کہ اس نے کہاں تک فرمانبرداری کی اور اطاعت شعاری کا مظاہرہ کیا۔"

سادات حنفیہ پر یہ امر تو مخفی نہیں ہوگا کہ:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.﴾ (الحشر/۷)

"اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔"

اور

﴿وَأَطِيعُوا اللّٰه وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ.﴾ (التغابن/۱۳)

''اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ ﷺ کا۔''

اور

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ.﴾ (النساء)

''جس کسی نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔''

قرآن کی ہی آیات ہیں، لہٰذا قرآن پر عمل ایک چیز ہے اور قرآن پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سنن صحیحہ ومعروفہ کو قرآن سے متصادم قرار دے کر رد کر دینا اس سے الگ اور مختلف چیز ہے، ان میں سے پہلی اہلحدیث کا طرہ امتیاز ہے اور دوسری اہل تقلید کا شیوہ۔

(وشتَّانَ بَيْنَ مُشرَّقٍ و مُغرَّب)

اہل حدیث اپنی اس روش پر قائم رہنے کے لئے اپنے ایمان کے ہاتھوں مجبور ہیں، لوگوں کے طعن وتشنیع اور تنابز بالالقاب کی انھیں کیا پرواہ؟ ان کے لئے اللہ رب العالمین کی جانب سے ملنے والی بشارت کافی ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَد مِنْهُمْ أُولٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا.﴾ (النساء/۱۵۲)

''اور جولوگ اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کوئی فرق نہ کیا ان کو عنقریب اللہ ان کا انعام عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرات مقلدین اپنے جس طرز عمل کو عمل بالقرآن قرار دے کر فخر و مغرور ہیں، جہمیہ، معتزلہ، اور خوارج کی زلہ خواری کے سوا کچھ نہیں اور ان اصول وضوابط کی حیثیت خوئے بد کے بہانہ ہائے بسیار سے زیادہ نہیں، ان تمام گمراہ اور بدعتی گروہوں کے تمام امتیازی مسائل کی بناء فاسد یہی قاعدہ تو ہے چنانچہ جہمیہ نے صفات باری تعالیٰ پر مشتمل صحیح ترین احادیث کو

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ.﴾

''اس جیسی کوئی چیز نہیں''

سے متصادم قرار دیا اور رد کر دیا، معتزلہ نے تقدیر کا انکار کرنے کے لئے یہی عذر لنگ تراشا کہ وہ تمام احادیث جن میں تقدیر کا بیان ہے اس آیت:

﴿وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیدِ﴾

''اور تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔''

سے متعارض ہیں۔

خوارج اور معتزلہ نے حضور رحمت عالم ﷺ کی شفاعت اور اس کی بدولت گناہ گار مسلمانوں کے جہنم سے نجات پالینے کا انکار کر دیا، ان کے زعم میں اس مضمون کی تمام احادیث آیات قرآنی:

﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِینَ مِنَ النَّارِ﴾ (بقرۃ/۱۶۷)

''اور وہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔''

اور

﴿رَبَّنَا إِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَیْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (آل عمران/۱۹۲)

''اے ہمارے پروردگار جسے تونے دوزخ میں ڈالا اس کو تو نے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

کے خلاف ہیں، لہٰذا نا قابل اعتماد ہیں۔

یہی اصول بشر مریسی (۱) اور قاضی عیسی بن ابان (۲) جیسے سنت و اہل سنت کے اعداء کی وساطت سے کشور حنفیت کے دستور کی بنیاد بنے، جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ حضرات متواتر اور مشہور احادیث رد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن پر عمل ہو رہا ہے:

﴿وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾

---

(۱) بشر بن غیاث مریسی متوفی ۲۱۰ھ امام ابوحنیفہؒ سے کسب فیض کرنے کے بعد امام ابو یوسفؒ کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے ان کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، متعصب معتزلی تھے اور علم کلام کے دلدادہ، بلکہ اس قدر غالی کہ بعض علماء اہل سنت نے انہیں زندیق قرار دیا، عقیدۂ خلق قرآن کے سختی سے قائل تھے۔ (الفوائد البھیۃ، ص ۴۱)

(۲) قاضی عیسی بن ابان متوفی ۲۲۱ھ امام حسن ابن زیاد اور امام محمد سے علم فقہ کی تحصیل کی، مامون کے خاص مصاحبوں میں سے تھے، امام احمد بن حنبلؒ کے ابتلاء کے پس منظر میں کافی حد تک ان کی مساعی کارفرما تھیں۔ (الفوائد البھیۃ، ص ۱۵۱)

قرآن اللہ کا پیغام ہدایت ورحمت ہے،اس پر عمل کی توفیق حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے جو غیر مشروط طور پر اطاعت رسول ﷺ کرنے والوں کے لئے خاص ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا.﴾ (النور/۵۴)

''اگر اس کی فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پاؤگے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران/۱۳۲)

''اور اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کروتا کہ تم پر رحم ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (الاعراف/۱۵۶،۱۵۷)

''میری رحمت ہر شئے کو شامل ہے اور اب میں اپنی رحمت خاص ان لوگوں کے حق میں لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں،زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں،جو لوگ اس رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے منع کرتا ہے،اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال بتاتا ہے اور بری چیزیں ان کے لئے حرام ٹھہراتا ہے،اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان پر تھے اتارتا ہے،تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت اختیار کی اور انھیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا اس کی پیروی کی،وہی مراد پانے والے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہدایت نشان واضح طور پر معلوم ہوجانے کے بعد اس کی مخالفت کرنا باعث انعام نہیں ہوسکتا،ایسا کرنے والے سے توفیق چھین لی جاتی ہے،ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ (النساء/۱۱۵)

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہو جانے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستہ پر چلے گا ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے۔''

اور توفیق الٰہی سے محروم لوگ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس پر عمل کر پاتے ہیں بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے دور بھٹکتے رہ جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ.﴾ (الاعراف/۱۴۵)

''اور جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیرے رکھوں گا۔''

چنانچہ یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ قرآن کی آسمانی تفسیر یعنی سنت رسول ﷺ سے اعراض کی پاداش تھی کہ قرآن نے حکم دیا:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ.﴾ (المدثر/۴)

''اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔''

اور یہ حضرات فرماتے ہیں:

''ومن أصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار الدرهم وما دونه جازت صلوته معه.'' (القدوری ۳۲)

''مغلظ نجاست (خون، پیشاب، پاخانہ، شراب وغیرہ) بقدر ساڑھے تین ماشہ (جسم یا کپڑے کو) لگی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔''

قرآن نے تصریح فرمائی:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ.﴾ (البقرہ/۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہتا ہے۔''

لیکن امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ مدت رضاعت دو سال اور چھ مہینے ہے ان کے نکتہ ہائے غریب، دقیق تو ہیں لیکن صاحبین کو بھی متاثر اور قائل نہیں کر سکتے، لیکن اصحاب متون نص قرآنی کی پیروی کی بجائے سارا زور اس نکتہ کے بیان پر صرف کرتے رہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہوگا کہ ظاہر الروایہ یہی ہے، علامہ کاسانی کی پریشانی ان کی طول بیان کے باوجود چھپائے نہیں چھپتی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس قول کی وکالت کرتے ہوئے ایسی تاویل فرمائی ہے جس پر قادیانی علم کلام کی پرچھائیں صاف نظر آتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"فکون الحولین تاما لا ینافی کون الحولین و النصف أتم." (بیان القرآن)

"دو سال کی مدت رضاعت کامل ہونے سے اڑھائی سال کے اکمل ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔"

ان حقائق صارخہ کی موجودگی میں حضرت مولانا کا یہ دعویٰ کرنا کہ اہل الحدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے، "شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں کے گھروں پر سنگ باری" کرنے کے سوا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

مزید ارشاد ہوتا ہے "لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں۔...... الخ۔

کاش مولانا کے سامنے اس وقت سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا، مولانا کے پاؤں دابتا لیکن خود دبتا، نہ حقائق دابنے دیتا اور ادب کے ساتھ عرض خدمت کرتا کہ حضرت! یہ تو ارشاد فرمادیجئے کہ حنفیہ کے اس عظیم الشان "اصول" کے ماخذ و بنیاد قرآن حکیم کی کون سی آیت ہے، یہ قاعدہ آپ حضرات نے "فرمان الٰہی":

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ.﴾ (الحشر/۷)

"اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے باز رہو، اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

سے بطریق "عبارة النص" سمجھا، یا آیت کریمہ:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ.﴾ (النساء/۸۰)

''جس کسی نے رسول ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' یا بطریق ''دلالۃ النص'' آپ نے یہ مفہوم اخذ کیا، یا ارشاد ربانی:

﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلٰى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ.﴾ (المائدۃ/۹۲)

''اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

کی ''اشارۃ النص'' نے یہ معنیٰ سمجھا دیا؟؟؟

ظاہر ہے ان آیات بینات سے مذکورہ اصول کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اگر اس کی کچھ بنیاد ملتی ہے تو ان آیات کریمہ میں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً. أُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَ أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُهِيْنًا.﴾ (النساء ۱۵۱)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے انکاری ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں اور اس کے درمیان راہ نکالنا چاہتے ہیں وہی حقیقی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَ إِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوداً. فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَاناً وَّ تَوْفِيْقاً.﴾ (النساء/ ۶۱،۶۲)

''اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ پیغام اور رسول کی تعلیمات کی طرف آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ منافق مکمل اعراض کرتے ہیں، کیا حال ہوگا جب ان کی اس روش کی پاداش میں ان پر مصیبت آئے گی تو تمہاری طرف آئیں گے اور اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہمارا مقصد نیک اور باہم موافقت پیدا کرنا تھا۔''

حنفیہ کے دعویٰ عمل بالقرآن کی حقیقت

کاش مولانا موصوف جیسے علماء کی ژرف نگاہی دوسروں کی آنکھ میں تنکا تلاش کرنے کی بجائے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنے میں صرف ہوتی، اوران پر یہ حقیقت مخفی نہ رہتی کہ محض پندار اور بلند آہنگ گفتار سے حقائق نہیں بدل سکتے، فقہ حنفی کے اسفار کا ہر ورق شاہد ہے کہ تأسیس اصول کا مرحلہ ہو یا تخریج فروع کا عرصہ یہ حضرات ''القرآن'' کو نہیں صرف ''کالقرآن'' کو دیکھتے ہیں اور احادیث الرسول ﷺ فداہ أرواحنا و أنفسنا کی بجائے احادیث النفس پر اعتماد کرتے ہیں، اس کی مثالیں ذکر کی جا چکی ہیں، ناکافی ہوں تو مزید سن لیجئے۔

● اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (التوبۃ/ ۲۸)

''اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں، تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے اس فرمان الٰہی کی تاویل وتعمیل اس طرح کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا تو انھوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کے ذریعہ مشاعر حج میں اعلان کروایا کہ:

''أَنْ لاَ يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلاَ يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.﴾ (متفق علیہ)

''اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔''

اور سادات حنفیہ فرماتے ہیں:

''لا بأس بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام'' (الهداية)

''اہل ذمہ کے مسجد حرام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔''

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى.﴾ (البقرۃ/۱۷۸)

''اے ایمان والو! مقتول کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) تم پر فرض کیا گیا ہے۔''

اس آیت میں قتل عمد کی سزا قتل بیان کی گئی ہے سوائے اس کے کہ مقتول کے ورثاء معاف کردیں یا دیت لینے پر رضا مند ہوجائیں، اس بارہ میں ذریعہ قتل سے تعرض نہیں کیا گیا، پتھر مار کر مارنے یا زہر دے کر قتل کرنے والے کو قاتل ہی شمار کیا جائے گا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے کہ ایک یہودی عورت نے حضرت رسول اکرم ﷺ اور بعض صحابہ کو کھانے پر بلایا اور گوشت میں زہر ملا دیا، نبی اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی تو اصحاب رضی اللہ عنہم کو کھانے سے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا، اسی زہر کے اثر سے حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو اس یہودیہ کو بلوا کر قصاص میں قتل کردیا گیا، ''باب فمن سقى رجلا سما اور أطعمه فمات ايقاد منه؟'' (حدیث ۴۵۱۰، ۴۵۱۴)

لیکن سادات حنفیہ فرماتے ہیں:

(وإذا سقى رجلا سما فمات من ذلك فإن أوجره أيجارا على كره منه اوناوله ثم أكرهه على شربه حتى شرب، او ناوله من غير إكراه عليه، فإن أوجره، او ناوله، أو أكرهه على شربه فلا قصاص عليه وعلى عاقلته الدية)

(الفتاوى الهندية عالمگیری ۶/۶)

''ایک شخص کسی کو زہر کھلا دے اور وہ اس سے مر جائے، اس کے منہ میں زبردستی ڈالا ہو یا اسے پکڑا دیا پھر اسے پینے پر مجبور کیا ہو یہاں تک کہ وہ پی لے یا وہ مجبور کئے بغیر ہی از خود پی لے اور مر جائے تو ان تمام صورتوں میں زہر دینے اور پلانے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا، تاہم اس کا عاقلہ (قبیلہ) دیت دینے کا ذمہ دار ہے۔''

یعنی نہ تو قرآن کے عمومی حکم کی تعمیل کی گئی اور نہ حدیث میں مذکور رسول اکرم ﷺ کے عادلانہ فیصلہ کو درخور اعتنا سمجھا گیا نوبت بایں جا رسید کہ بعض صورتوں میں قصاص سے بچنے کے حیلے کے طور پر زہر دہی کا مشورہ بھی ''فقہاء'' نے دیا، ارشاد ہوتا ہے، سنئے اور سر دھنئے:

''إمراة علمت أن زوجها طلقها ثلاثا و هو ينكر ولا تقدر المرأة على

منع نفسها منه فيباح لها القتل ولكن ينبغي أن لا تقتله بآلة القتل لأنها لوقتلته بآلة جارحة تقتل قصاصا." (فتاوی قاضی خاں،۱/۴۳۱)

''کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے چکا اب انکاری ہے،عورت اس سے خود کو بچا نہیں سکتی،تو اس کے لئے روا ہے کہ اسے قتل کر ڈالے۔تاہم مناسب ہے کہ اسے قتل کے معروف آلات سے قتل نہ کرے کیونکہ اس صورت میں وہ خود قصاص میں قتل کردی جائے گی۔''

ایک طرف کسی عفیفہ کو قتل کا مشورہ دیا جارہا ہے تو دوسری طرف فراخ دلی کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں:

"رجل ادعى على امرأة نكاحا وهي تجحد وأقام عليها شاهدي زور وقضى القاضي بالنكاح بينهما، حل للرجل وطؤها وحل للمرأة التمكين منه عند ابي حنيفة وأبي يوسف." (عالمگیری ۳۵۰،۳،۳۵۱)

''ایک شخص کسی عورت پر اپنی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے،عورت انکار کرتی ہے یہ جھوٹے گواہ کھڑے کرلیتا ہے،قاضی صاحب نکاح کا فیصلہ صادر فرمادیں تو اس آدمی کے لئے اپنے کھڑے ہوئے جھوٹے گواہوں کی بنا پر قرار دی گئی منکوحہ سے مباشرت کرنا حلال ہوگا،اور اس عورت کو بھی حلال ہے کہ اپنے آپ کو اس خود ساختہ شوہر کے حوالے کردے۔''

مزید سنئے:

"امرأة دعت على زوجها أنه طلقها ثلاثا وأقامت على ذلك شهود زور وقضى القاضي بالفرقة بينهما وتزوجت بزوج آخر بعد انقضاء العدة فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله، وقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ لايحل للزوج الأول وطؤها ظاهرا وباطنا ويحل للزوج الثاني وطؤها ظاهرا و باطنا علم بحقيقة الحال او لم يعلم" (فتاوی عالمگیری ۳/۳۵۱)

''کوئی عورت اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرتی ہے کہ وہ اسے تین طلاقیں دے چکا ہے اور اس پر جھوٹے گواہ بھگتا دے اور قاضی ڈگری دے دے کہ ان کے درمیان علیحدگی ہوچکی،عدت گزرنے کے بعد اس عورت نے کسی اور سے نکاح کرلیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام

ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق پہلے شوہر پر اس کے قریب جانا حرام ہوگا، ظاہر طور پر ہی نہیں حقیقت میں بھی، اور دوسرے شوہر پر اس کے ساتھ مباشرت کرنا حلال ہوگا ظاہری اور حقیقی ہر اعتبار سے اسے حقیقت کا علم ہو (کہ عورت نے جھوٹے گواہ کھڑے کر کے ڈگری حاصل کی ہے) تب بھی۔"

اسی طرح سادات حنفیہ فرماتے ہیں:

"ولا یستو فی القصاص الا بالسیف." (ہدایہ وغیرہ)

"قصاص صرف تلوار کے ساتھ لیا جائے گا۔"

اس بارہ میں قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرہ)

"پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔"

اور متفق علیہ حدیث میں ہے:

"أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هَذَا أَفُلَانٌ؟ أَفُلَانٌ؟ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا فَجِيءَ بِالْيَهُودِيِّ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَبِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ." (البخاری)

"کسی یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل ڈالا اس سے پوچھا گیا تم پر یہ ظلم کس نے کیا، فلاں نے کیا؟ فلاں نے کیا؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام آیا تو اس لڑکی نے سر کے اشارے سے تصدیق کی، اس یہودی کو لایا گیا اس نے اقرار کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارہ میں فیصلہ صادر فرمایا چنانچہ اس کا سر پتھروں سے کچل دیا گیا۔"

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ حنفیہ کا حسن سلوک

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ سادات حنفیہ کے حسن سلوک کا قصہ تو بہت طویل ہے، مشتے از خروارے کے طور پر چند مسائل دیکھ لیجئے۔

● ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من مات و علیه صیام صام عنه ولیه." (متفق علیہ البخاری ۱/۲۶۳، مسلم ۱/۳۶۲)

''جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کے ذمے روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔''

سادات حنفیہ پوری قوت سے فرماتے ہیں:

''ولا یصوم عنه ولی'' (ہدایۃ کتاب الصوم،۲۰۳)

''میت کی طرف سے اس کا ولی روزے نہیں رکھ سکتا۔''

● صحیح ترین سند کے ساتھ عمرو بن امیہ الضمری سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا:

''رأیت النبی ﷺ یمسح علی عمامته و خفیه'' (صحیح البخاری ۱/۳۳)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے دیکھا۔''

اس سنت ثابتہ کو حضرات حنفیہ ''احسن ترین محامل پر محمول'' کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ولا یجوز المسح علی العمامة.'' (ہدایۃ ۱/۴۴)

'' پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔''

● حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خلاًّ فَقَالَ لاَ.'' (صحیح مسلم کتاب الاشربۃ، حدیث ۳۶۶۹)

''نبی ﷺ سے شراب کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اس سے سرکہ بنالیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔''

اس حدیث پر عمل کرنے کا حنفی انداز یہ ہے کہ فرماتے ہیں:

''ولایکره تخلیلها.'' (الہدایۃ کتاب الاشربۃ ۲/۱۸۳)

''اس کا سرکہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔''

● حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''أن رسول الله ﷺ نهی عن ثمن الکلب'' (سنن ابی داود، سنن النسائی)

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع کیا۔''

حضرات احناف اس حدیث کو 'محامل حسنہ' پر محمول فرماتے ہوئے فتویٰ صادر کرتے ہیں:

''یجوز بیع الکلب والفهد والسباع'' (ہدایۃ ۲/۵۰ کتاب البیوع)

''کتے، شیر اور درندوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔''

بلکہ ذبح کر کے اس کا گوشت بیچنے کے لئے بھی جواز کا فتویٰ مہیا فرماتے ہیں۔ (عالمگیری ۳/۱۱۵)

قرآن وحدیث کے ساتھ اس طرح کا یکساں ''حسن سلوک'' کرنے کے باوجود اگر مولانا مصر ہوں کہ ''حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآنی کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔'' (انتھی بلفظہ)

تو یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ ؎

بگو حدیث وفا از تو باور است بگو

شوم فدائے دروغے کہ راست مانند است

ان مسائل کا استقصا، جن میں سادات حنفیہ نے نصوص قرآن وسنت کے برعکس موقف اختیار کیا دفتروں کے دفتر چاہتا ہے، اب ہم ان مسائل کی طرف آتے ہیں جنھیں مولانا نے اپنی مرضی کے میدان کے طور پر منتخب فرمایا، ان پر سرسری نظر بھی واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان سے مولانا کے موقف کو کوئی تقویت نہیں ملتی۔

مولانا موصوف اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ''شاگرد'' سے جو اہل حدیث ہوگیا تھا فرماتے ہیں:

''اب میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا اختلاف ہے ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی۔''

اس کے بعد انھوں نے تین مسائل کا ذکر کیا:

۱- قرأۃ خلف الامام

۲- رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ۔

۳- آمین بالجہر

اہل حدیث اور احناف کے درمیان اصل اختلاف

مولانا رحمہ اللہ نے یہاں بھی انصاف نہیں فرمایا، ان کا قلم تمہید ہی میں عدل و اعتدال سے ہٹ گیا، مشہور ترین مسئلہ جس میں اہل حدیث سے حنفیہ کا اختلاف ہے اس کا ذکر نہیں کیا اور وہ ہے ایمان میں کمی بیشی کا، اس اہم ترین بنیادی مسئلہ سے اغماض کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں مقابلہ کے لئے کوئی آیت نہیں مل سکتی تھی جسے وہ حنفیہ کے موقف کی بنیاد قرار دے سکتے، کیونکہ قرآن نے اہل ایمان کا تعارف ہی ان الفاظ سے کرایا ہے کہ:-

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الانفال/۲)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (التوبۃ/۱۲۴)

''سو جو ایمان والے ہیں تو ان کے ایمان میں ان آیات نے اضافہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔''

احادیث، آثار صحابہ و تابعین و اقوال سلف و خلف صحیح بخاری کی کتاب الایمان اور عقائد کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اہل حدیث کے ساتھ حضرات حنفیہ کا ایک بڑا اختلاف سنت مطہرہ کے تشریعی مقام اور قرآن وسنت کے باہمی ارتباط پر ہے، اہل حدیث ان دونوں میں تعارض کے امکان کو رد کرتے ہیں اور سنت کو قرآن کا بیان مانتے ہیں جب کہ احناف سنت کو قرآن کی تخصیص وتقیید کے بھی قابل نہیں سمجھتے، مولانا کے منتخب فرمودہ مسائل اس اصول کی فروعات میں سے ہیں۔

اہل حدیث اور احناف کے مابین ایک اور بنیادی اختلاف تقلید کی شرعی حیثیت کے متعلق ہے، حضرات حنفیہ اسے واجب قرار دیتے ہیں جب کہ اہل حدیث ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ:

''تقلید کو انھوں نے کس دلیل سے واجب قرار دیا ہے؟ تقلید سے یا از راہِ اجتہاد؟''

''انھوں نے ائمہ میں سے تقلید کے لئے انتخاب کی گئی شخصیت کو باقی ائمہ پر کیونکر ترجیح دی؟''

''کیا ائمہ نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا؟ تمام ائمہ نے بصراحت اپنی تقلید سے منع کیا یا نہیں؟''

''ائمہ سے صحیح اسانید کے ساتھ تقلید کی ممانعت پر مشتمل تصریحات کی موجودگی میں حضرات مقلدین کا ان کی تقلید کا دعویٰ کیا حیثیت رکھتا ہے؟''

ان مشہور ترین بنیادی اختلافات کو چھوڑ کر جن مسائل کو منتخب فرمایا وہاں بھی حضرت غفر اللہ لناولہ نے یہ ستم ڈھایا کہ پورا زور یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ ان مسائل میں حنفیہ کا اختلاف ''اہلحدیث'' سے ہے، اگر ان کے بالمقابل سچ مچ کوئی اہل حدث طالب علم ہوتا تو کم از کم اس **تطفیف میزان** اور ''**سوء کیلة**'' کی طرف ان کی توجہ ضرور مبذول کراتا اور عرض کرتا کہ ان مسائل میں سادات حنفیہ کے مد مقابل صرف اہل حدیث نہیں بلکہ جمہور امت ہیں تو کیا حضرت جمہور ائمہ یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، امام مسلم، امام محمد ابن خزیمہ **رحمهم الله تعالىٰ وغيرهم وكثير ماهم** کو بھی قرآن کو نظر انداز کرنے کا الزام دیں گے؟

قرأۃ خلف الامام کو موضوع سخن بنانا ستم بالائے ستم کے سوا کچھ نہیں، اسے نرم سے نرم الفاظ میں خلط مبحث ہی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا امام کے لئے بھی فرض نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کے متواتر، صحیح اور صریح فرمان (**لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب**) کے باوجود ان کا اصرار کہ قرأت فاتحہ نماز کے فرائض میں نہیں بلکہ ہدایہ سمیت تمام متون میں اسے صرف واجب گردانا گیا جب کہ واجب کی تعریف ان کے ہاں یہ ہے:

''**ماتجوز الصلاة بدونه**'' (شرح العنایۃ علی الہدایۃ ۱/۲۷۶)

''جس کے بغیر نماز جائز ہے۔''

تقلید کی وکالت میں ''مجتہدانہ کاوشیں''

مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ''ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا....الخ۔

اس مختصر سی عبارت کا ایک ایک لفظ دامن دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اگر انھوں نے سچ

مچ قرآن کی طرف رجوع کیا پھر دلائل کا موازنہ کیا اور سوچ سمجھ کر ایک موقف اختیار کیا تو غیر شعوری طور پر مجتہدانہ کاوش میں مصروف تھے، وللہ الحجۃ البالغۃ انھیں یاد بھی نہیں رہا کہ مقدمہ تقلید کا لڑنے جارہے ہیں ان کے اس انداز استدلال نے تو ان کے مقدمہ کو کمزور سے کمزور تر کر کے رکھ دیا ہے فرماتے ہیں:

سورۂ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.﴾ (الاعراف/۲۰۴)

''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ.....(انتہی بلفظہ)

تعجب ہے کہ مولانا اس مضمون کی تحریر سے چند سال پیشتر ایک مقالہ میں یوں رقم طراز ہوئے تھے:

''نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا جب سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَقُومُوْ لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا، اور آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا.﴾ بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے سے ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

(فاران، دسمبر ۱۹۶۰ء، ص ۳۵، منقول از توضیح الکلام ۱/۱۱۴)

حضرت کے سامنے بیچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا تو یہ دریافت کئے بغیر نہ رہتا کہ مولانا! یہ کیا طرفہ ہے کہ وہی آیت جو عام بات چیت اور گفتگو سے مانع نہ ہوئی سورہ فاتحہ پڑھنے کو حرام ٹھہراتی ہے؟

اگر مذکورہ آیت کا مفہوم وہی ہے جس کا حضرت نے دعویٰ فرمایا ہے تو کم از کم اس کی تخصیص اس صورت سے تو کر دیجئے جو اس مفہوم میں شامل ہے، آپ نے خود فرمایا ہے کہ:

''اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے۔''

لہٰذا اگر کوئی امام کے ساتھ نہیں پڑھتا بلکہ سکتات میں پڑھ لیتا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.'' (متفق علیہ)

''جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔''

نیز بعض ائمہ احناف نے بھی احتیاطاً پڑھ لینے کا فتوی صادر فرمایا ہے (عمدۃ القاری ۱۴/۶) تو اس صورت میں آپ اس پر آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کا الزام کیونکر لگا سکتے ہیں۔

مولانا نے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول تو نقل کیا کہ آیت بالا تفاق قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی لیکن اس بات کا تذکرہ تک نہیں فرمایا کہ انھیں امام احمدؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

"من إجماع الناس على أنها نزلت في الصلاة وفي الجمعة" (فتاویٰ الکبریٰ ابن تیمیہ)

''یعنی بعض لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ جمعہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔''

بلکہ یہ کہہ کر نی کترانے کی کوشش کی ہے کہ ''جن علماء نے اس کو خطبۂ جمعہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ۔'' (انتہیٰ بلفظہ)

مولانا کا یہ اضطراب بے سبب نہیں، انھیں معلوم ہے کہ خطبہ کے دوران آنے والے نمازی کو دو رکعت پڑھنے کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے، لہٰذا جس طرح دوران خطبہ نماز پڑھی جائے گی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت بھی ہو جائے گی لیکن مولانا اسے یہ اجازت دینے پر کسی طور پر آمادہ نہیں۔

اس حقیقت سے سادات حنفیہ کو بھی مجال انکار نہیں ہے کہ صحابہ کرام کی ایک معتد بہ جماعت امام کے پیچھے ہونے کی حالت میں بھی سورہ فاتحہ پڑھتی رہی، جیسا کہ مولانا گنگوہیؒ نے اس بارے میں تصریح کی ہے، لہٰذا اگر پہلے سے ایک بات ذہن میں بسا نہ لی جائے تو یہ سمجھنا قطعاً دشوار نہیں کہ اگر اس آیت سے مراد خلف الامام فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا مقصود و مراد ہوتا تو ناممکن تھا مکہ میں نازل ہونے والی اس آیت کو صحابہ کرام مدنی دور میں بھی سمجھ نہ پائے، جب تھانہ بھون کے عجمی نژاد احناف نے ''ذرا سا غور'' کئے بغیر ہی سمجھ لیا۔

نماز با جماعت میں بحالت قرأت امام شامل ہونے والا شخص کس طرح داخل ہو؟ اللہ اکبر کہنے کی اجازت آپ جس دلیل سے دیں گے (بلکہ بعض حنفیہ تو ثنا تک پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، منیۃ المصلی ۹۶) اسی میں تھوڑی سی مزید وسعت پیدا کر کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش بھی

نکال دیں تو ایک قدیم وطویل جنگ کا خاتمہ ہوسکتا ہے، خاص طور پر جب کہ مولانا گنگوہیؒ فرما بھی چکے ہیں کہ فاتحہ کی آیات قلیل ہیں سکتہ ثناء وغیرہ میں بلا منازعت قرآن کے پڑھ سکتے ہیں، لہٰذا رخصت کی گنجائش ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ۵۱۳)

فاتحہ خلف الامام کے متعلق حنفیہ کے موقف کا

وإذا قرئ القرآن ...... الآیة سے دور کا تعلق بھی نہیں

غور تو دور کی بات ہے، مولانا نے انصاف بھی نہیں فرمایا ورنہ یہ سمجھنا دشوار نہ تھا کہ اس آیت کا قرأت فاتحہ خلف الامام سے کچھ تعلق نہیں، اور نہ یہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا ماٰخذ ومستدل ہے ورنہ نورالانوار وغیرہ میں اسے تعارض وتساقط کے طور پر بیان نہ کیا جاتا اور سادات حنفیہ تو لاحق کو بھی قرأت سے منع کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر كغفلة أو زحمة وسبق حدث ... وحكمه كمؤتم فلا ياتي بقرأة ..) (درالمختار ۱/۵۹۴)

''لاحق اس نمازی کو کہتے ہیں جو امام کی اقتداء میں شامل ہوا لیکن غفلت، بھیڑ یا وضو ٹوٹ جانے کے سبب اس سے نماز کی تمام یا کچھ رکعتیں فوت ہوگئیں، اس کا حکم بھی مقتدی کا ہوگا لہٰذا وہ قرأت نہیں کرے گا۔''

اب یہاں امام ہے نہ اس کی قرأت جسے سنتے ہوئے وہ خاموش رہنے کا مکلّف تھا، لیکن آپ حضرات اس حالت میں بھی اسے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہوتے، اس نے سورہ فاتحہ سنی اور نہ آپ کی ممانعت کے سبب خود پڑھی آیت کے حکم فاستمعوا پر اپنی غفلت یا عذر کی بنا پر عمل نہ کرسکا اور حدیث پر آپ نے نہ کرنے دیا، اس کے باوصف دعوی فرماتے ہوئے مسرور ہیں کہ ''ہم پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اور پھر حدیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔''

ایں چہ بو العجبی ست

مسئلہ اس قدر سادہ ہوتا اور نص قرآنی احناف کے موقف کی مؤید ہوتی تو ان کا مسلک

مقبول سے مقبول تر ہوتا جاتا اور کیفیت یوں نہ ہوتی جو امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبداللہ بن المبارک نے بیان فرمائی ہے:

"أنا أقرأ خلف الإمام والناس يقرؤن إلا قوما من الكوفيين" (جامع الترمذی ۲/۱۲۲)

''میں امام کے پیچھے ہوتے ہوئے بھی قرأت کرتا ہوں اور لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں صرف اہل کوفہ کا ایک گروہ نہیں کرتا۔''

بہت سے اکابر حنفیہ اپنے مشہور موقف اور اس کے دلائل سے مطمئن نہیں ہیں ان کے دل کی خلش نوک قلم پر بھی آگئی چنانچہ ہدایہ (۱/۳۴۱) میں ہے۔

"وليستحسن على سبيل الإحتياط فيما يروى عن محمد ويكره عندهما لما فيه من الوعيد"

از راہ احتیاط مستحسن ہے کہ پڑھ لے جیسا کہ محمدؒ سے مروی ہے اور ان دونوں (ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ) کے نزدیک مکروہ ہے اس وعید کی بنا پر جو اس باب میں وارد ہے۔''

برصغیر میں حضرت نظام الدین اولیاء، شاہ عبدالرحیم، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور مولانا عبدالحی لکھنوی جیسے اساطین علماء اس مسئلہ میں اہل حدیث کے موقف کی متانت اور قوت استدلال سے راجح ہونے کی گواہی دے چکے ہیں۔

رفع الیدین:

اس مسئلہ میں مولانا کا مؤقف پہلے سے بھی زیادہ طریف ہے، فرماتے ہیں:

''ہم نے اول قرآن کو دیکھا (حالانکہ اگر وہ راسخ العقیدہ مقلد ہیں تو انھیں صرف اپنے مقلد کا قول دیکھنا چاہئے تھا) تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو، دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے معنیٰ بھی سکون ہی کے ہیں۔'' (انتہیٰ بلفظہ)

ہدایہ، کنز، اور قدوری سے نظر ہٹا کر مولانا کو قرآن دیکھنے کا موقع میسر آ ہی گیا تھا تو ان

آیات کی روشنی میں احناف کے انداز خشوع اور فقہ حنفی کی ان فروع پر نظر ثانی فرماتے جن کے مطابق:

''قبلہ رو بقدر ایک صف کے چلے پھر رک جائے پھر ایک صف کے بقدر چلے اس طرح خواہ کتنا ہی ''سفر'' کر لے بس اتنا خیال رکھے کہ مسجد سے باہر نہ نکلے تو اس کی نماز درست ہے۔''

(درمختار، ۱/۶۲۹)

''اگر جانور کا تھن منہ میں چوسنا شروع کر دے اگر دودھ نازل نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔''

(ایضاً)

''پرندے کو پتھر مارنے سے، کتے بلی کو چمکارنے، یا گدھے کو ہانکنے سے بھی نماز کی صحت متاثر نہیں ہوتی۔'' (ایضاً، ۱/۶۱۴)

مولانا کو نماز میں چہل قدمی، بلکہ شغل شکار اور جانور کی چمکار تو ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ کے خلاف محسوس نہیں ہوتی، تاہم رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی صحیح ثابت و متواتر سنت جس پر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عمل پیرا رہے خشوع اور قنوت کے منافی دکھائی دیتی ہے، صدق رسول اللہ ﷺ ''حبک شیئًا یعمی ویصم'' (سنن ابی داؤد) تمہارا کسی چیز کی محبت میں گرفتار ہونا اندھا بہرہ کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب/۲۱)

''بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔''

اور اس مضمون کی دسیوں آیات انھیں نظر ہی نہیں آئیں اور اسی ضعیف بصارت کے ساتھ تحقیق مزید کے لئے ذخیرہ حدیث پر نگاہ ڈالنے چل نکلے تو انہیں رفع الیدین کے اثبات کی متواتر احادیث دکھائی نہیں دیں بلکہ نگاہ انتخاب کی داد دیجئے کہ وہ جا کر ٹھہری بھی تو اس حدیث پر جس کے متعلق ''شیخ الہند'' جیسے متصلب حنفی فرما چکے ہیں کہ:

''اذناب الخیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں ہے کیونکہ وہ

سلام کے بارے میں ہے۔" (تقاریر،ص ٦٥)

مولانا نے بڑا کرم کیا کہ انھوں نے اپنے مکمل اختیارات استعمال نہیں کئے وگرنہ وہ "اسکنوا فی الصلاۃ" کی اپنی تعبیر کے مطابق نماز میں رکوع وسجود کو بھی سکون کے منافی حرکات قرار دے کر موقوف فرما سکتے تھے۔

اگر مولانا کی خدمت میں سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم حاضر ہوتا تو "شیخ الہند" کے مندرجہ بالا فرمان کی طرف حضرت کی توجہ مبذول کرنے کے علاوہ یہ بھی عرض کرتا کہ:

رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین کرنا ایسی سنت ہے جو تواتر سے ثابت ہے، حضرت مالک بن الحویرث اور حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہما جیسے اصحاب جنھیں رسول اکرم ﷺ کو ان کی حیات دنیوی کے آخری دنوں میں حاضر خدمت ہونے کی سعادت حاصل ہوئی اس کی روایت کرنے والوں میں شامل ہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا:

"أُقسِمُ بِاللّٰهِ اَنْ كَانَت لَهِيَ صَلاَتَهُ حتّٰى فَارَقَ الدُّنيا."

(معجم ابن الاعرابی ١/٢٣٢۔ بحوالہ رفع الیدین کا ثبوت تالیف محمد زبیر علی زئی، ص ٩٥)

"اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہونے تک اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔"

یہاں تک کہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ جیسے راسخ الحنفیت کو بھی یہ اعلان کرتے ہی بنی:

"إن الرفع متواتر اسنادا وعملا ولم ينسخ ولا حرف."

(نیل الفرقدین، ص ٢٢ حاشیہ فیض الباری ٢/ ٢٥٥)

"رفع الیدین سند کے اعتبار سے متواتر ہے اور عملاً بھی، اس میں سے ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔"

کیا آپ کی گفتگو اور مذکورہ آیات سے استدلال کا مقتضی وفحوی یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ فداہ أرواحنا اور آپ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو قنوت اور خشوع کی ان رنگینیوں اور لطافتوں کا ادراک نہیں تھا جن تک حضرت حنفیت کی برکت سے رسائی حاصل کر چکے ہیں تو ایسا خشوع اور قنوت آپ کو مبارک، اہل حدیث کو فرمان رسول ﷺ صلوا کما رأیتمونی

أصلی کی تعمیل میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھنے دیں، اگر آپ اس سنت متواترہ پر عمل کی ہمت نہیں پاتے تو نہ کیجئے لیکن گوسالہ حنفیت کی محبت میں اس حد تک تو نہ جائیے کہ سنت کے عاملین کی نمازوں کو قنوت وخشوع سے عاری قرار دینے پر تل جائیں۔

مادر حنفیت کا کوئی فرزند اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت نہیں رکھتا کہ نبی اکرم ﷺ خود رفع الیدین کرتے رہے یہ ایسا عمل ہے جس پر آپ ﷺ برس ہا برس عمل پیرا رہے، حضرت نے کس طرح باور کرلیا کہ اس سے منع کرنے کے لئے افصح العرب والعجم ﷺ نے یہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہوگا "یہ کیا حرکت ہے تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم ہلاتے ہیں" کیا حدیث و سنت کے ساتھ اسی رویہ کی بنا پر آپ فخر یہ کہتے ہیں کہ "محامل حسنہ" پر محمول کرتے ہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(لَیسَ لَنَا مَثَلُ السُّوءِ) صحیح البخاری ۳/ ۲۱۵

"ہمارے لئے بری مثال وتشبیہ زیبا نہیں۔"

مشروع امور میں تبدیلی کی اطلاع اور تعلیم دینے میں نبی اکرم ﷺ کا انداز واسلوب محمود معلوم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی ﷺ کو سلام کیا نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے جواب نہیں دیا جب کہ اس سے پہلے حالت نماز میں جواب دیا کرتے تھے، نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَاشَاءَ وَ إِنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ أَنْ لاَ تَكَلَّمُوا فِي الصَّلاَةِ." (مسند امام احمد/ ۳۹۳۱)

"اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم فرماتا ہے، اور اس نے اب یہ حکم فرمایا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کیا کرو......"

ابتداء میں زیارت قبور سے منع کیا گیا تھا جب عقیدہ توحید راسخ ہو گیا اور اس کے تقاضوں کا شعور ذہنوں میں پختہ ہو گیا تو اجازت دے دی گئی، اس حکم میں تبدیلی کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دی:

"كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فإنها ترق القلوب وتدمع

العین وتذکر الآخرۃ ولا تقولوا ھجرا" (مستدرک حاکم)

''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا وہاں جایا کرو، کہا اس سے رقت قلب پیدا ہوتی ہے، آنکھوں میں آنسو آتے ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہیں اور وہاں نازیبا بات نہ کرو۔''

عید الاضحیٰ پر ایک مرتبہ تین دن سے زیادہ گوشت ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا، اس سے اگلے برس یوں وضاحت فرمائی:

"کُنتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلاثٍ لِيَتَّسِعَ ذُو الطَّوْلِ عَلَى مَنْ لا طَوْلَ لَهُ فَكُلُوا مَا بَدَا لَكُمْ وَأَطعموا وَادَّخِرُوا." (جامع الترمذی کتاب الأضاحی ۱۴۳۰)

''میں تمہیں قربانی کے گوشت تین دن سے زیادہ تک کھانے سے منع کرتا تھا کہ اصحاب کشائش ناداروں کو بھی دیں اب (جب کہ کشائش عام ہوچکی) تو جب تک چاہو کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کرلو۔''

لیکن رفع الیدین کے لئے یکا یک گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ وارد ہو، قرآن وسنت کے اشباہ ونظائر سے آپ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔

اگر قنوت کا حکم اور خشوع کی ترغیب نماز میں رفع الیدین نہ کرنے کا تقاضا کرتے ہیں تو سادات حنفیہ نماز عیدین اور وتر میں ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ اس رفع الیدین کے دلائل قوت اور کثرت کے اعتبار سے رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع الیدین کے دلائل کا عشر عشیر نہیں، کیا لفظ صلاۃ کا اطلاق عیدین کی نماز پر نہیں ہوتا؟ یا اس میں خشوع مطلوب نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

اس کی کیا توجیہ فرمائیے گا کہ ترک رفع الیدین پر مذکورہ بالا آیات کریمہ اور حدیث جابر بن سمرہؓ سے استدلال صرف متاخرین احناف کے ہاں ملتا ہے، ائمہ متقدمین بلکہ مذہب کے ہاں اس کا کچھ سراغ نہیں ملتا، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے امام اوزاعیؒ کے ساتھ مبینہ مناظرہ میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عمل کو راجح قرار دینے کی بنیاد صرف فقہ الرواۃ پر رکھی گئی ہے۔

امام طحاویؒ اس مسئلہ میں حنفیہ کی مظلومیت کی شکایت کرتے ہوئے خاصے جذباتی ہوگئے ہیں لیکن احناف کے موقف کی ترجیح کے لئے ان کی تگ ودو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کے طرق جمع کرنے تک محدود رہی، علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ میں ترک رفع الیدین کے لئے آثار صحابہ

سے ہی استدلال کیا، اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ان آیات واحادیث میں حنفیہ کے موقف کی تائید کے لئے دلیل نہیں ہے، یا یہ سمجھا جائے کہ متاخرین احناف قرآن وحدیث فہمی میں اور حضرات مقلدین قوت استنباط واستخراج مسائل میں ائمہ مجتہدین پر سبقت لے گئے ہیں۔

آمین بالجہر:

تقریباً یہی حال مسئلہ آمین بالجہر کا ہے حضرت نے اس پر بھی کافی زور آزمائی کی ہے لیکن مقدمہ اس قدر کمزور ہے کہ مولانا کی وکالت بھی بے سود ثابت ہوئی، جہاں تک ان کے دلائل کا تعلق ہے تو کمال بن الہمام اور ابن امیر الحاج جیسے متعصب احناف بھی ان سے مطمئن نہیں ہیں تو کوئی دوسرا ان سے کس حد تک متاثر ہوسکتا ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ اشارہ کافی حد تک چشم کشا ہے (لیکن صرف اہل انصاف کے لئے) فرماتے ہیں:

"الإنصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل وقد اشار إليه ابن أمير الحاج فى الحلية حيث قال "السرهو السنة وبه قالت المالكية و فى قول عندهم يجهر فى الجهرية و عند الشافعي إن كانت جهرية جهربه بلا خلاف والمنفرد على المعروف والماموم فى احد قوليه ونص النووى على أنه على الأظهر وقد ورد فى السنة مايشيد لكل من المذهبين ورجع مشائخنا ما للمذهب بمالا يعرى عن شئ لمتأمله فلا جرم قال شيخنا ابن الهمام لوكان إلى شئ لوفقت بأن رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها فى زبر الصوت وذيلها." (التعليق المجد /١٠٣)

"انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے، ابن امیر الحاج نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"آہستہ کہنا (حنفیہ کے ہاں) مسنون ہے، مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ایک قول ان کا یہ ہے کہ جہری نما میں جہراً کہے، اما شافعی کے نزدیک جہری نماز میں تو امام جہراً ہی کہے گا، اور منفرد کے متعلق بھی مشہور قول یہی ہے۔ مقتدی کے بارے میں ان کے دو قول ہیں امام نووی نے تصریح

کی ہے کہ مقتدی کے جہر کرنے کا قول قوی تر ہے، احادیث میں دونوں مذاہب کے شواہد موجود ہیں تاہم ہمارے مشائخ نے جن دلائل کو اپنے مذہب کے راجح ہونے کی بنیاد بنایا ہے تامل سے خالی نہیں ہیں، اس لئے ہمارے شیخ ابن الہمام کہتے ہیں کہ اگر فیصلہ میرے سپرد ہوتو میں دلائل کو اس طرح جمع کردوں گا کہ خفض (آہستہ) سے مراد یہ ہے کہ بہت چلا کر اور کرخت آواز سے نہ کہے اور جہر سے مراد یہ ہے کہ درمیانی آواز سے کہے۔

مشکل تو یہی ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی انصاف کی بات کرتے ہیں اور ادھر یہ عالم ہے کہ حضرت کو صحیح بخاری میں عطاء کا یہ قول تو نظر آ گیا کہ آمین دعا ہے، چنانچہ اسے دیکھتے ہی انھیں آیت کریمہ ﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَ خُفْيَةً﴾ بھی یاد آ گئی، اور اس کے معا بعد:-

"أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً."

(صحيح البخاري باب جهر الإمام بالتامين)

"حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آمین کہتے اور ان کے مقتدی بھی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی۔"

نظر نہیں آیا۔

حضرت کے اغماض بصری کی وجہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ وہ اعلاء السنن ۱/۶۸۶ میں انہی عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ طحاوی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں:

"قد فعل عبدالله بن الزبير ما ذكرنا في زمزم بحضرة أصحاب النبي ﷺ فلم ينكروا ذلك."

"عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں ایسا کیا اور کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔"

بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اسے صحابہ کا اجماع قرار دے دیا ہے

(ملاحظہ ہو لمعات التنقیح ۲/۱۳۶ نیز درس ترمذی تقی عثانی ۱/۲۷۶)

اس لئے حضرت نے خوب کیا کہ اس اثر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا ورنہ عطاءؒ کی زبانی سننا پڑتا:

"أدركت مائتين من اصحاب رسول اللهﷺ في هذا المسجد إذا قال الإمام و لا الضالين سمعت لهم رجة بآمين." (سنن البیہقی)

"میں نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے دوسو اصحاب کو اس مسجد میں پایا، جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ اس طرح آمین کہتے کہ مسجد گونج اٹھتی۔"

اور مولانا میں ایسی باتیں سننے کی تاب کہاں؟

وكانوا لا يستطيعون سمعاً

لیکن علامہ انور شاہؒ نے تو اور بھی ستم ڈھایا ہے کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے اثر کو دیکھا تو سہی لیکن اس کا محمل تک بدل ڈالا، فرماتے ہیں:

قوله "وأمن ابن الزبير" ولعله حين كان يقنت في الفجر على عبدالملك وكان هو يقنت على ابن الزبير رضى الله عنه وفي مثل هذه الأيام تجري المبالغات أيضاً. (فیض الباری ۲/۲۹۰)

"ابن الزبیر آمین کہتے شاید یہ ان دنوں کی بات ہے جب انھوں نے عبدالملک کے لئے نماز فجر میں قنوت نازلہ (بددعا) پڑھنا شروع کر رکھی تھی اور وہ ان کے لئے ایسا کرتا تھا، اور اس طرح کے ایام میں کچھ کچھ مبالغہ آرائی بھی ہو جاتی ہے۔"

حالانکہ امام بخاریؒ جس اثر کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں مصنف عبدالرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

عبدالرزاق عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له أكان ابن الزبير يؤمن على إثر ام القرآن؟ قال نعم ويؤمن من وراء ه حتى أن للمسجد للجة ثم قال: إنما آمين دعاء (مصنف ۲/۹۷)

"ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا ابن الزبیر سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے، تو انھوں نے کہا ہاں اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے آمین کہتے حتی کہ مسجد گونج اٹھتی، پھر انھوں نے کہا کہ آمین دعا ہی تو ہے۔"

اس اثر کو دیکھتے ہوئے جو حضرت علامہ کاشمیریؒ پر مخفی نہ رہا ہوگا اس لئے کہ علامہ عینی نے

شرح البخاری میں اسے مکمل طور پر ذکر کیا ہے، ان کی رقیق تاویل کو نتائج التقلید کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے، بلکہ مصنف کے اسی صفحہ پر یہ اثر بھی مذکور ہے:

"عبدالرزاق عن ابن جريج قال قلت لعطاء آمين؟ قال لا ادعها ابدا "قال إثر أم القرآن في المكتوبة والتطوع؟ قال ولقد كنت اسمع الآئمة يقولون على إثر أم القرآن آمين هم أنفسهم ومن ورائهم حتى أن للمسجد للجة."

"ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا آمین (کہنا چاہئے)؟ انھوں نے کہا کہ میں تو کبھی نہیں چھوڑ سکتا، انھوں نے پوچھا سورہ فاتحہ کے بعد فرض اور نفل میں؟ انھوں نے جواب دیا میں تو ائمہ کو سنتا تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد کہتے تھے وہ بھی اوران کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بھی یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔"

اس اثر کا ایک ایک لفظ بول رہا ہے کہ نہ اسے قنوت نازلہ پر محمول کیا جاسکتا ہےاور نہ اس کو صرف عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تک محدود قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت علامہ صاحب نے دونوں کام حنفیت کی خدمت سمجھ کر سرانجام دے دیئے، اسی قسم کی کارروائیوں میں اپنی عبقریت صرف کرکے علامہ کاشمیری سمجھتے تھے کہ میں نے حنفیت کو اس طرح مستحکم کردیا ہے کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس کی بنیادیں غیر متزلزل رہیں گی۔ (دارالعلوم دیوبند نمبر، ص۲۱۴)

اوران کے فرزند ارجمند سید انظر شاہ کاشمیری فخر یہ بیان فرماتے ہیں کہ: حنفی مکتبۂ فکر کی تائید میں جو کام اللہ تعالیٰ نے آپ سے لیا اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو اس حقیقت کے بیان میں بھی کوئی تامل نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عہد میں حنفیت کے استحکام کے لئے پیدا کیا ہے۔ (ایضاً)

لیکن حدیث اور اہل حدیث کے ساتھ یہی جفائیں ان کے ضمیر کی خلش بن گئیں اور آخر عمر میں ان کو یاد کرکے پشیمان ہوتے رہے، جیسا کہ ان کے تلمیذ رشید مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بیان فرماتے ہیں:

"قادیان کے جلسے کے موقع پر نماز فجر کے وقت حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کاشمیری صاحب سر پکڑے مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے

میاں مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کر دی، میں نے عرض کیا آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے، اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ تھا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کر دیں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا، اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی۔'' (وحدت امت ۱۸)

تینوں مسائل میں مولانا کے استدلال میں کوئی نئی بات نہ تھی، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ حنفیت کا دستور بھی میخانہ مغرب سے مختلف نہیں کہ جہاں ؂

لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

چنانچہ ان کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اس قدر مسحور ہوا کہ بجائے اس کے کہ مولانا کی توجہ اس جانب مبذول کراتا کہ آپ کی تقریر دلپذیر میں ذکر کیے گئے مسائل میں اختلاف کی بنیاد قرآن کی طرف رجوع یا عدم رجوع نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ حضرات سنت مطہرہ کو اس کا اصل مقام دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ کہنے لگا:

''واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث پر عمل نہیں کرتے۔''

لیکن حضرت نے اس اشکال کو دور کرنے کی بجائے اسے مزید الجھا دیا فرمایا پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو اور ساتھ ہی یہ قید بھی لگا دی کہ صحیح حدیث کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کی جائے .... الخ۔

مولانا کا یہ انداز حق اور حقیقت کے متلاشی ایک طالب علم کو راہ حق دکھانے والے مشفق ناصح کے بہ نسبت ایک شاطر وکیل سے زیادہ مشابہت رکھتا نظر آتا ہے جو کمزور اور غلط موقف کے باوجود محض لفظوں کے ہیر پھیر سے مقدمہ جیتنے کی کوشش کر رہا ہو، اور جس کی کامیابی کا سارا دار و مدار

صرف اس بات پر ہے کہ ان کا مد مقابل ان کے موقف کی کمزوریوں سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتا، ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی کہ ایک شخص جو اہل حدیث ہو گیا تھا تحقیق اور اتباع دلیل کے گناہ سے توبہ کر کے تقلید کے دام تزویر کا نخچیر ہو کر ان کے دست حق پرست پر پھر سے حلقہ بگوش حنفیت ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔

وصدق اللہ العظیم:

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِه إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ.﴾

کاش وہاں سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا، اور اس دام تزویر میں پھنسنے کی بجائے مولانا کو بھی ان مغالطوں سے نکال لاتا اور عرض کرتا کہ حضرت: اجماعی مسائل میں اجماع پر اعتماد تقلید کے دائرے میں نہیں آتا (التحریر لکمال ابن الھمام ۴/ ۲۴۱ وفواتح الرحموت ۲/ ۴۰۰)

صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے:

"الحديث المسند الذی ينقل اسناد العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه ولايكون شاذا ولا معللا..."

فهذا هو الحديث الذی يحكم له بالصحة بلا خلاف بين أهل الحديث

(مقدمة ابن الصلاح، ص ۸۲)

"وہ باسند حدیث جس کی سند اس طرح متصل ہو کہ ہر راوی عادل ہو اور جس سے وہ روایت کرتا ہے وہ بھی عدل وضابط ہو اسی طرح سند کے آخر تک، اور وہ حدیث علت سے محفوظ اور شذوذ سے مبرا ہو، ان اوصاف کی حامل حدیث پر ہی صحت کا حکم لگایا جاتا ہے، اور اس کے صحیح ہونے میں اہلحدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

گویا اس پر محدثین کا اجماع ہے اور اجماع کا تتبع تقلید نہیں کہلاتا، بلکہ اسے تو یہ بھی پوچھنا چاہئے تھا کہ اگر تعریفات ومصطلحات میں اہل فن پر اعتماد کرنا بھی تقلید ہی ہے تو آپ نے بایں شان و بایں شوکت "قواعد فی علوم الحديث" میں ایک "شافعی مقلد" (حافظ ابن حجر) کی تقلید کیوں

کی، جب کہ ایسا کرنا شریعت تقلید میں شریعت اسلامیہ کے مؤکد حرام سے بھی زیادہ حرام ہے۔

مولانا نے اپنے شاگرد کو ورطۂ حیرت سے نکالنے کی بجائے اس طرح ہپناٹائز کیا کہ وہ ''معمول'' کی طرح انہی کی زبان بولنے لگا:

''میں سمجھ گیا واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے پھر بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام مالک اور شافعی کی تقلید ناجائز ہو یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔''

مولانا کے ان افکار میں جو انھوں نے اپنے شاگرد کے الفاظ میں بیان فرمائے کافی وزن ہوتا اگر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے تمام دلائل بیان فرمائے ہوتے، اور اپنی مستدل احادیث پر صحت کا حکم لگایا ہوتا لیکن یہاں صورت حال یہ ہے کہ اکثر اوقات معاملہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں صرف رائے پر عمل کرنے کا ہوتا ہے۔

مثلاً متفق حدیث میں ہے:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلاتَهُ وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلاتَهُ.''

(صحيح البخاري باب من أدرك ركعة من العصر قبل المغرب)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز عصر کا ایک سجدہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پالے تو اسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کرلے اور جب نماز کا ایک سجدہ طلوع آفتاب سے پہلے پالے تو اسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کرلے۔''

امام نووی کہتے ہیں کہ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ جس شخص نے صبح یا عصر کی نماز سے ایک رکعت پڑھ لی تھی کہ وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ نماز مکمل کرے گا اور اس کی نماز درست ہوگی، اور اس بات پر عصر کی نماز کی حد تک تو اجماع اور صبح کی نماز کے متعلق امام مالک، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر تمام علماء یہی کہتے ہیں، سوائے امام ابوحنیفہؒ کے کہ ان کا قول یہ ہے اس صورت میں نماز فجر کے دوران سورج طلوع ہوجائے تو وہ باطل ٹھہرے گی کیونکہ ایسا وقت

داخل ہوگیا جس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، برخلاف سورج غروب ہونے کے (فیض الباری ۲/۱۱۹)

علامہ انور کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

''مختصر یہ ہے کہ حدیث مذکور کی رو سے نماز فجر اور نماز عصر میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کا ظاہر جمہور کے مذہب کی تائید کررہا ہے، اور حنفیہ نے یہ کہہ کر کہ نماز عصر کا وقت ناقص حصہ پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ فجر کا وقت ایسا نہیں ہے نماز فجر اور عصر میں فرق کیا ہے، اس طرح انھوں نے حدیث کے ایک حصے پر عمل کیا ہے اور دوسرا حصہ قیاس کو بروئے کار لاتے ہوئے ترک کردیا ہے۔'' (فیض الباری ۲/۱۲۰)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور ختم اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دگنا ہوجائے۔ (فیٔ زوال نکال کر)۔ (قدوری ۴۳)

امام صاحب کے اس قول کی تائید میں نیموی جیسے راسخ الحنفیت تلاش بسیار کے باوصف کوئی حدیث نہیں پاتے اور تھک ہار کر اعلان کرتے ہیں:

"و إنی لم أجد حديثا صريحا صحيحا او ضعيفا يدل على أن وقت الظهر إلى أن يصير الظل مثليه." (آثار السنن ۵۳)

''مجھے کوئی ایسی واضح حدیث صحیح تو کجا ضعیف بھی نہیں مل سکی جو اس بات پر دلالت کرے کہ نماز ظہر کا وقت سائے کے دومثل ہونے تک رہتا ہے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کی طرف سے۔ (الجامع الصغیر،ص ۴۹۵)

اور اس بارہ میں علماء احناف خاموش ہیں کہ امام صاحب نے اس خیال کی بنیاد کس حدیث پر رکھی، اس لئے مولانا نے اپنے شاگرد کو استادی طریقے سے تعریفات میں الجھا کر خاموش کرانا ہی مناسب سمجھا، علاوہ ازیں مولانا سے بڑھ کر کون واقف ہوگا کہ ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قیاس کے بالمقابل ضعیف حدیث پر عمل کرنا بہتر سمجھتے تھے'' خود انھوں نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں بھی ذکر کی ہیں، اس لئے یہ تاثر دینا کہ محدثین کی طرح انھوں نے بھی احادیث کی تصحیح کی ہے او جس طرح ''اہل حدیث'' بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی تقلید کرتے

ہوئے ان کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث کو صحیح باور کر لیتے ہیں تو احناف نے امام ابوحنیفہؒ کی تصحیح پر اعتماد کرلیا ہے' بدترین مغالطہ ہے، مولانا کا ادب مانع نہ ہوتا تو اسے بلا تامل دجل بھی کہا جا سکتا تھا، اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل میں حدیث کی تصحیح تو کجا حدیث ذکر ہی نہیں کی، جب کہ محدثین جزاهم الله عن الإسلام خير الجزاء نے اسانید ذکر کر کے حجت قائم کی، اہل حدیث کثر الله سوادهم نے رجال اور صحت سند و متن کی شروط معتبرہ و مجمع علیہا کو مدنظر رکھا اور ان کی روشنی میں احادیث کو پرکھا، یہ نہیں کہ جسے ترمذی نے صحیح کہہ دیا اسے صحیح مان لیا ہو ورنہ جامع الترمذی اور امام بخاری کی الجامع الصحیح میں تفاوت نہ ہوتا، البتہ صحیحین کی احادیث کو اصول نقد حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اہل علم کا اعتماد یقین میں بدلتا گیا، اور بقول علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ علماء نے ایک ایک حدیث کے طرق کا تتبع کیا، اس کے رجال کی تحقیق کی، سند کو ہر طرح سے جانچا تو انھیں ان کی صحت کا یقین ہوا، اگرچہ بصیرت و بصارت سے محروم افراد اس یقین کی دولت سے تہی دامن ہی رہے۔　(فیض الباری، مقدمہ ۴۵)

نیز اس سے مولانا کی وہ طویل بحث جو انھوں نے احادیث کی صحت کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہوئے فرمائی لا طائل ہو کر رہ گئی، مولانا فرماتے ہیں:

''بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلول ہوتی ہے اور علت کی معرفت حاذقین کو ہوتی ہے ہر محدث کو نہیں ہوتی۔''

کاش مولانا اپنے افکار کی ہلاکت آفرینی کا کچھ اندازہ فرما سکتے اور حدیث پر براہ راست عمل کرنے کی ہمت نہ تھی تو کم از کم امام ابوحنیفہؒ کے قول: إذا صح الحديث فهو مذهبي پر ہی عمل کر لینے کی توفیق پاتے، اور محض اہل حدیث سے ضد کی بنا پر پورے ذخیرۂ حدیث کی صحت کو مشکوک بنانے کی سعی نامشکور اور لاحاصل سے بچ جاتے، کیا اسی انداز کو ''اعلاء السنن'' کہا جاتا ہے؟ حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ سنت کا ایک حصہ متواتر و مستفیض ہے جو علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے، اخبار آحاد میں سے بھی بہت سا ذخیرہ امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے سند اعتماد پا چکا ہے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من

المتصل المرفوع صحيح بالقطع وإنهما متواتران إلى مصنفيهما و أن كل من يهون أمرهما فهو متبع غير سبيل المؤمنين." (حجة الله البالغة ١/١٣٤)

''جہاں تک صحیحین کا تعلق ہے تو تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں اسفار میں جتنی احادیث متصل مرفوع ہیں سب کی سب قطعی طور پر صحیح ہیں، یہ کتابیں اپنے مؤلفین تک متواتر ہیں، اور جو کوئی (ان مذکور احادیث کی صحت میں شکوک وشبہات پیدا کر کے) ان کے مقام ومرتبہ کو کمتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور اہل اسلام کے مخالف راستہ پر چلنے والا ہے۔''

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اختلفوا في أن أحاديث الصحيحين هل تفيد القطع أم لا فالجمهور إلى أنها لا تفيد القطع وذهب الحافظ رضي الله عنه إلى أنها تفيد القطع وإليه جنح شمس الأئمة السرخسي رضي الله عنه من الحنفية والحافظ ابن تيمية من الحنابلة والشيخ عمرو بن الصلاح رضي الله عنه وهؤلاء وإن كانوا أقل عددا إلا إن رأيهم هو الرأى." (فيض الباري مقدمة ٤٥)

''صحیحین کی احادیث، کیا علم قطعی کا فائدہ دیتی ہیں؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، جمہور کا خیال ہے کہ قطعی علم حاصل نہیں ہوتا، جب کہ حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ ان سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہے، احناف میں سے شمس الآئمہ سرخسی، حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نیز حافظ ابن صلاح (رحمہم اللہ) کا رجحان اسی طرف ہے کہ اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے، یہ لوگ اگرچہ تعداد میں نسبتاً کم ہیں لیکن ان کی رائے ہی درست ہے۔''

ان علماء جہابذہ کی رائے کے ہوتے ہوئے صحیحین کی احادیث کو صحیح کہنے والے پر تقلید کی پھبتی قرین انصاف نہیں ہے، صحیحین کی جملہ احادیث اور باقی دواوین حدیث کی وہ مرویات جنھیں امت کا تلقی بالقبول حاصل ہو چکا سب کی سب مفید علم قطعی ہیں، ان کی تصحیح اور اتباع کو تقلید نہیں کہا جا سکتا، لیکن مولانا کی نظر اس عظیم ذخیرے کی بجائے ان مرویات پر جا کر ٹھہرتی ہے جن میں علت خفی ہوتی ہے ''بعض دفعہ سند کے راوی ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے۔'' وصدق اللہ:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ

تَأْوِيلِهِ﴾ (آل عمران/۷)

''جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کردیں۔''

اس ٹیڑھی نظر کے فیض سے حضرت نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بصیرت افروز دل کشا تقریر کو لفظوں کا ہیر پھیر بنا کر رکھ دیا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں (جسے مولانا نے بتکرار اعلام الموفقین لکھا ہے اور اس کی اس غلط فہمی پر ملک شام کے حنفی عالم ابوغدہ اپنی حیرت بھی نہیں چھپا سکے) مسئلہ تقلید پر نہایت بسط سے کلام فرمایا ہے، مروجہ تقلید کے بطلان پر کتاب وسنت اور سلف امت کے عمل اور ائمہ کی تصریحات سے مقلدین پر اتمام حجت کردیا ہے، مقلدین پر ایسے سوالات وارد کئے کہ امت تقلید اب تک خاموش ہے، ان کے تمام شبہات میں سے ہر ایک کے کئی کئی طرح سے مقنع اور شافی جواب دیئے ہیں، اسی ضمن میں مقلدین کا ایک شبہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

تم (مخالفین تقلید) جن احادیث وآثار سے تقلید کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہو تم خود ان کے نقل کرنے والوں اور روایت کرنے والوں کے مقلد ہی تو ہو، عالم راوی کی تقلید پر مجبور ہے، تو قاضی گواہ کا مقلد ہونے پر مجبور ہے، اسی طرح عامی عالم کی تقلید کرتا ہے......الخ

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں......

''اس کا جواب ہم پہلے بھی دے چکے ہیں کہ جسے تم تقلید کا نام دے رہے ہو یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پیروی ہے، اگر یہ تقلید ہے تو روئے زمین پر صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد کا ہر عالم مقلد ہی ہوگا، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے اپنے جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم و روایت اخذ کی وہ بھی مقلد ہی ٹھہریں گے اس قسم کا استدلال تو صرف شوراشوری اور سینہ زوری کرنے والے کرتے ہیں یا تلبیس کار جو باطل پر حق کا ملمع کرکے الجھانا چاہتے ہیں، یہ اہل تقلید کی جہالت کا شاخسانہ ہے کہ صحیح قسم کی تقلید کو لے کر اس سے اس قسم کی تقلید ثابت کرنا چاہتے ہیں جو سراسر باطل ہے، قدر مشترک کو لے لینا اور ان میں موجود واضح فرق سے آنکھیں بند کرلینا ہے یہی وہ باطل قیاس ہے جس کے مذموم ہونے پر اتفاق ہے اور جو اس باطل تقلید کی سگی بہن ہے، اور دونوں

برابر طور پر باطل ہیں۔"

جب اللہ تعالیٰ خود سچی خبر کو حجت قرار دیں، شہادت عادلانہ کو حجت قرار دیں تو اس حجت کی اتباع کرنے والوں کو مقلد نہیں کہا جا سکتا، اور اگر حجت کی پیروی کرنے والا مقلد ہے تو وہ دلیل کا مقلد ہے نہ کہ کسی شخص کا اور ایسی تقلید سو بار مبارک، یہی تو ہماری دعوت ہے۔ واللہ المستعان۔

(اعلام الموقعین ۲/ ۲۶۹)

اس سے چند صفحات پیشتر وہ کہہ چکے ہیں:

کسی کی خبر، اقرار یا شہادت قبول کرنے کا، فتاویٰ میں تقلید سے کیا تعلق؟ ان امور کی خبر دینے والا ایسے محسوس امر کی خبر دیتا ہے جسے معلوم کرنے کا ذریعہ اس کی ظاہری و باطنی قوت احساس و شعور ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب ایسا شخص خبر دے جو تمہیں صادق و عادل نظر آتا ہے تو اس کی دی ہوئی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اسے قبول کرو، اسی قاعدے کے مطابق جب کوئی خبر دے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا یا ایسا فرمایا تو اس کی اطلاع کو قبول کیا جائے گا اور اس اطلاع دینے والے سے سن کر آگے خبر دے گا، اور اسی طرح آگے تک تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد چند مزید مثالیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

یہ تمام نظائر ان اخبار و اطلاعات کی قسم سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اطلاع دینے والے کے صادق و عادل ہونے کی صورت میں اسے قبول کرنے کا حکم دیا ہے، تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ ایک آدمی کہہ دے کہ یہ ہدیہ ہے تو اس کی بات قبول ہوگی، زفاف کے وقت خبر واحد ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہوگی کہ یہ اس کی بیوی ہے، اسی طرح عورت کی بات اس کی ماہواری کے انقطاع کے متعلق مانی جائے گی وہ مسلمان ہو یا کتابیہ، ان میں سے کوئی بھی فتویٰ اور احکام میں تقلید کی قسم سے نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ۲/ ۲۵۵)

واضح ہے کہ کتابیہ کی اپنے بارے میں مخصوص معاملات میں شہادت قبول کرنے والا مفتی اور قاضی یا اس کا شوہر اس کا مقلد تو نہیں ہوگا، اگر محض شہادت اور خبر پر اعتماد کرنا اور اس کے مطابق شرعی احکام بجالانا تقلید ہے تو اعرابی کی اطلاع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشاد:

"فأذن في الناس يا بلا لا أن يصوموا غدا" (سنن اربعة، ابن خزيمة وغيره)

''بلال! لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں۔''

کو کیا کہا جائے گا؟

اس سیدھی اور واضح تقریر میں مولانا نے اپنی مرضی سے تبدیلی فرمائی اور روایت اور شہادت کی بجائے احادیث کی تصحیح اور تضعیف پر اعتماد لکھ کر ابن قیم رحمہ اللہ کے ذمہ وہ بات لگادی جو انھوں نے نہیں کہی تھی، اور ساتھ ہی اس پر الفاظ کی ہیرا پھیری کی پھبتی کس دی، اسے کہتے ہیں:

رمتني بدائها و انسلت

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ پر مولانا کی برہمی کا سبب صرف یہ ہے کہ ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا کوئی جواب اب تک امت تقلید سے نہیں بن پڑا، اور کسی نے سچ ہی تو کہا ہے:

''إذا عجز الإنسان طال لسانه''

''جب انسان سے کچھ بن نہ پڑے تو وہ زبان درازی پر اتر آتا ہے۔''

''اعلام الموقعین'' میں تقلید کے متعلق باب میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے کسی ایک فرد کو اس کے تمام اقوال میں تقلید کے لئے چن لیا ہو، اور اس کے سوا کسی دوسرے کی ایک بات بھی نہ مانتا ہو اور ہم یہ بھی یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ایسا تابعین کرام تو کیا اتباع تابعین کے زمانے میں بھی نہ ہوا تھا، مقلد ہمارے بیان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کسی ایک شخص کا نام تو لیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے مطابق فضیلت پانے والے زمانوں میں وہ مکروہ راستہ اختیار کیا ہو جس پر مقلد حضرات گامزن ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ بدعت تقلید چوتھی صدی میں ظہور پذیر ہوئی جسے رسول اکرم ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے مذموم قرار دیا تھا.....''

ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''جو کسی ایک کی تقلید کرتا ہے ہمارا اس سے سوال ہے کہ تمہارے امام میں کون سی خصوصیت ہے کہ دوسروں کو چھوڑ کر اس کی تقلید کی جائے، اگر وہ کہے کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا تو اس سے پوچھا جائے گا تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ تم اپنے بارے میں جاہل ہونے کا

اقرار کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیونکر دے سکتے ہو کہ وہ اپنے وقت میں امت کا سب سے بڑا عالم تھا، یہ بات تو صرف وہ جان سکتا ہے جسے مذاہب کے اقوال، ان کے دلائل اور ان میں راجح اور مرجوح کا علم ہو وما للأعمى ونقد الدراهم یعنی اندھا کیا جانے لالے کی بہار'' (اعلام الموقعین ۲/ ۲۰۸)

مولانا نے ابن قیم رحمہ اللہ کی اس بصیرت افروز تقریر پر غور کرنے کی بجائے اسے ہیرا پھیری قرار دے کر طنز وتعریض کا نشانہ بنانا چاہا، حالانکہ:

''صاحب البيت أدرى بما فيه''

کے بمصداق مولانا سے زیادہ کون جانتا ہوگا کہ سینہ زوری اور ہیرا پھیری بازار کوفہ کی مشہور ومروج اجناس ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اہل حدیث اس جنس کے خریدار ہیں نہ محتاج۔ وللہ الحمد۔

ما اہل حدیثیم دغا را نشناسیم
در قول نبی چون و چرا را نشناسیم

ایک اہم نقطہ:

اس سلسلہ میں ایک اہم نقطہ جسے حضرات مقلدین ہمیشہ نظر انداز کئے رکھتے ہیں یہ ہے کہ علت ومعلول صرف حدیث اور اسناد حدیث کا ہی خاصہ نہیں، بلکہ اس کا خدشہ وامکان ہر اس علم وفن میں ہوگا جس کی بنیاد اخذ وتلقی پر ہوگی، اگر سند کے راوی ثقہ ہوتے ہوئے بھی کبھی حدیث معلل ہو سکتی ہے تو اس بات کا امکان کہیں زیادہ ہے کہ آپ حضرات جس کو امام ابوحنیفہؒ کا قول سمجھ کر اندھا دھند تقلید کئے جارہے ہیں اور اس کے بالمقابل صحیح ترین احادیث اور موثوق ترین دلائل کو خاطر میں نہیں لاتے وہ سرے سے ان کا قول ہی نہ ہو، احادیث کے رواۃ سے اگر خطا کا صدور ہے تو ناقلین اقوال ائمہ معصوم عن الخطا تو نہ تھے، حدیث کے بالمقابل فقہی روایات میں سلسلہ اسناد کے طوالت کے پیش نظر یہ امکان چندر چند بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، نیز حدیث میں اقوال وافعال کی نبی ﷺ کی طرف نسبت کرنے کی ذمہ داری کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے جہابذۂ فن حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل نے تحقیق وتحری کے جو معیار قائم کئے اور اس میدان میں حزم واحتیاط کی جو مثالیں قائم کی ان کا عشر عشیر بھی فقہی اقوال کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا تھا، بلکہ بعض مقامات پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعارض اقوال میں ترجیح واختیار کے لئے کوئی مناسب اور موزوں معیار نہ

ہونے کی وجہ سے متاخرین حنفیہ کوئی واضح موقف اختیار کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ شوال کے چھ روزوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"نسب إلى أبي حنيفة ومالك كراهتها وإلى الشافعي وأحمد استحبابها" والنقول التي حكاها المتأخرون من ابن نجيم والكمال، وابن الكمال وغيرهم من علمائنا مضطربة، ولكن أفرد هذا الموضوع المحقق العلامة الحافظ قاسم بن قطلو بغا برسالة خاصة سماها - تحرير الأقوال في صوم الست من شوال - وحقق من نصوص المذهب استحبابها عند أبي حنيفة وأبي يوسف ثم اختلفوا هل الأفضل التفريق او التتابع بعد الإتفاق بأداء أصل الفضيلة بأي طريق كان من غير كراهة واختار أبو يوسف التفريق، وراجع للتفصيل ردالمختار" (معارف السنن ۴۴۳/۵)

"ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ (شوال کے روزوں کو) مکروہ سمجھتے تھے، جب کہ شافعیؒ اور احمدؒ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انھیں مستحب جانتے تھے، ابن نجیم، کمال اور ابن کمال وغیرہ ہمارے علماء متاخرین نے اس بارے میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے، تاہم محقق علامہ حافظ قاسم بن قطلو بغا نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام انھوں نے "تحرير الأقوال في صوم الست من شوال" رکھا ہے۔ اس میں انھوں نے مذہب (حنفی) کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ابوحنیفہ اور ابویوسف کا قول بھی ان کے استحباب کا ہے اس اتفاق کے بعد کہ یہ روزے فضیلت رکھتے ہیں اور ان میں کوئی کراہت نہیں (ہمارے علماء کا) اختلاف ہے کہ افضل ان کا مسلسل رکھنا ہے یا متفرق دنوں میں رکھنا۔"

جب اس قسم کے مشہور مسائل میں بھی امام صاحب کے قول یا اقوال کا یہ حال ہے تو سمجھنا مشکل نہیں کہ حضرات مقلدین کا دواوین فقہ میں ائمہ کی طرف منسوب اقوال پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آنا اور صحیح اور متفق علیہ اسانید کی موجودگی میں احادیث رسول ﷺ کے بارہ میں اندیشہ ہائے دور دراز کا شکار ہو جانا اپنے ایمان واسلام کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اگر سند کا معیار حدیث اور فقہی روایات میں یکساں بھی ہو (وأنى لهم

ذلک) تو فقہی اسناد ہمیں زیادہ سے زیادہ یہ خبر بہم پہنچائے گا کہ فلاں امام (مثلاً ابوحنیفہؒ) کا فہم واجتہاد اس مسئلہ میں یہ تھا، ان کا فتویٰ وموقف غلطی سے مبرا تو بہرحال نہیں ہے۔

جب کہ حدیث کی سند ہماری دستگیری کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ تک جا پہنچاتی ہے، جو

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ﴾

کے عظیم الشان اور منفرد مقام پر فائز ہیں، جس میں ان کا کوئی سہیم اور مقابل نہیں ہوسکتا:

﴿فَأَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

مزید برآں یہ عذر (گناہ بدتر از گناہ) بھی اس مسئلہ میں کیا جانا چاہئے جہاں کسی حدیث کو علماء فن نے معلول قرار دیا ہو، لیکن جن احادیث کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جہابذۂ فن حدیث ان کے صحیح ہونے پر متفق اللسان ہیں، ان کے مقابلہ میں محتمل ومشکوک اقوال ائمہ پر اڑ جانا اور احادیث کو یہی کہہ کر رد کر دینا کہ ممکن ہے یہ معلول ہو، سراسر ظلم اور اپنے اوپر اعتماد کرنے والے مقلدین کے ساتھ ؎

آنے والے مجھے کسی طوفان کا رونا رو کر

نا خدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

والا معاملہ کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت مولانا نے کمال فن سے ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت میں ہیر پھیر کر کے اہل حدیث کو تقلید کا الزام دینے کی کوشش کرتے ہوئے جو تاج محل تعمیر کیا تھا وہ تو پائیدار ثابت ہوا لیکن ریت کی یہ دیوار گرتے گرتے ان سے اور ان کے ہمنواؤں سے ایک سوال کرگئی کہ وہ حضرات جو امام ابوحنیفہؒ کی طرف اپنی نسبت تقلید کرتے ہیں درحقیقت کس کے مقلد ہیں، کیونکہ قول کی تحقیق کرنے والے محقق پر اعتما کو مولانا تقلید کہہ چکے، حنفی کہلانے والے قطلوبغی نکلے کبھی مرغینانی، کبھی طحاوی، کبھی طحطاوی کبھی حصکفی اور کبھی کیا کیا کچھ ؎

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

اس کے بعد مولانا کا قلم اندھے کی لٹھ بن کر رہ گیا جسے کچھ خبر نہیں کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑ رہی ہے۔ فرماتے ہیں:

''قرآن کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے اب بتلاؤ کہ بغیر ائمہ کی تقلید کے تم قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہر گز نہیں اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہے۔''

کاش مولانا غور فرماتے کہ بشمول امام اعظم رحمہ اللہ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے بھی قرآن کسی سے سیکھا ہوگا اگر اخذ و روایت بھی تقلید ہی ہے تو یہ حضرات جن پر اجتہاد فخر کرتا آیا ہے آپ کی عنایت سے تقلید کے نخچیر ثابت ہوئے ؂

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل

کہ معاملہ

بازی بازی باریش بابا ہم بازی

تک پہنچ گیا۔

مولانا نے درست فرمایا کہ:

''محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت وضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے۔''

لیکن ان کا یہ ارشاد بجا نہیں کہ:

''(محدثین نے یہ اصول وضوابط) اپنے ظن اجتہاد سے مقرر کئے۔''

اس لئے کہ اہل حدیث کے اکثر اصول منصوص اور مجمع علیہ ہیں حتی کہ حنفیہ کو بھی ان سے اختلاف نہیں ہے، چنانچہ وہ بھی تصحیح وتحسین حدیث میں انہی کا اعتبار کرتے آئے ہیں، خود مولانا مقدمہ اعلاء السنن میں رقمطراز ہیں:

''مع تصحیح الأحادیث أو تحسینها علی الأصول المتلقاة بالقبول عند علماء الروایة.'' (قواعد فی علوم الحدیث، ص ۱۸)

''علماء روایت (محدثین) کے ہاں متداول ومقبول قواعد وضوابط کے مطابق حدیث کو صحیح یا حسن ثابت کیا گیا ہے۔''

اہل حدیث بحمد اللہ وتوفیقہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حدیث کے بعض قواعد میں علماء حدیث وفقہ کے مابین کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اور وہ اس کا اعتبار بھی کرتے ہیں، لیکن

معاملہ تو وہاں بگڑتا ہے جہاں حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کیا جاتا، اور حافظ زیلعی جیسے منصف مزاج بھی یوسف أعرض عن هذا کے اندر لکھتے ہیں:

"وهذه الأحاديث أيضاً مشكلة عن مذهبنا في القول ببطلان صلاة الصبح إذا طلعت عليها الشمس" (نصب الراية، ١/٢٢٩)

"یہ احادیث بھی ہمارے مذہب پر بہت بھاری ہیں، کیونکہ ہم ان کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے اگر سورج طلوع ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔" (مسئلہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔)

اور حضرت شیخ الہندؒ کا یہ ملفوظ تو تمام عالم کو حیرت زدہ کر کے شہرت حاصل کر چکا ہے:

"ورجح مولانا شاه ولي الله المحدث الدهلوي قدس الله سره في عمله مذهب الشافعي من جهة الأحاديث والنصوص وكذلك قال شيخنا مدظله بترجيح مذهبه وقال: الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسألة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة" (تقرير الترمذي، ص ٣٦)

"مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے بہت سے رسائل میں اس مسئلہ (خیار مجلس) میں احادیث اور نصوص کے اعتبار سے شافعی مذہب کو ترجیح دی ہے اس طرح ہمارے شیخ مدظلہ بھی شافعی کے مذہب کے راجح ہونے کے قائل تھے، چنانچہ فرمایا: حقیقت اور انصاف کی بات تو یہی ہے اس مسئلہ میں شافعیؒ کا قول قوی تر ہے، لیکن ہم مقلد ہیں ہم پر اپنے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔"

جب صورت حال یہ ہو وہاں مولانا کا یہ فرمانا کہ "ہوسکتا ہے ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہو اور ہمارے اصول پر ضعیف ہو" عذر لنگ کے سوا کیا ہے؟

تقلید کے حق میں دلائل کے انبار لگانے کے بعد مولانا یک بیک دعوت "اجتہاد" دیتے ہیں فرمایا: (دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں)

اس چھوٹے سے جملہ سے مولانا کے طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے یعنی ؎

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں

آخر میں مولانا نے انتہائی مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ:

''حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا، دلیل اس کی یہ دی ہے کہ حنفیہ تو قرون ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کردیتے ہیں، اور مراسیل اور مقاطیع کا ذخیرہ احادیث مرفوعہ سے کم نہیں کچھ زیادہ ہی ہے، تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں۔''

مولانا نے بہت عنایت فرمائی مراسیل و مقاطیع کے ساتھ ''مواضیع'' (موضوعات) کو بھی ملا لیا ہوتا تو آپ کی معمول بہا اور اہل حدیث کی ترک کردہ احادیث کا ذخیرہ دو چند ہو سکتا تھا۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

''مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں ضعیف کو رد کردیتے ہیں۔''

گویا اہل حدیث صحیح حدیث پر عمل کریں اور ضعیف کو رد کریں تو گردن زدنی، اور آپ حضرات ضعیف و موضوع پر عمل کریں اور صحیح ترین احادیث کو رد کریں اور عمل بالحدیث کا طرہ بھی اپنی دستار میں سجانا چاہیں ۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ویسے واقعہ مولانا کے اس دعویٰ کی بھی تصدیق نہیں کرتا، احناف جب رد کرنے پر آتے ہیں تو صحیح، ضعیف احادیث اور آثار صحابہ و تابعین میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، مثال کے طور پر فجر کی سنتوں کا مسئلہ لے لیجئے، آثار السنن میں ہے:

''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَي الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ.'' (رواہ الترمذی و اسنادہ صحیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔'' (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

اور اسی مقام پر ہے:

''عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه صلی رکعتی الفجر بعد ما

أضحى" (رواه أبو بكر بن أبي شيبة واسناده حسن)

"نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی سنتیں سورج نکلنے کے بعد پڑھیں۔" (اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔)

"عَنْ قَيْسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأُقِيمَتِ الصَّلاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِي أُصَلِّي فَقَالَ مَهْلاً يَا قَيْسُ أَصَلاتَانِ مَعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَي الْفَجْرِ قَالَ فَلاَ إِذَنْ." (رواه الأربعة إلا النسائي وأحمد و أبوبكر بن أبي شيبة والدار قطني والحاكم والبيهقي "قال النيموي اسناده ضعيف." (آثار السنن ٢٣٠)

"قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اقامت ہوئی تو میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر آپ لوٹے تو مجھے نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا ٹھہرو قیس، کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! فجر کی (پہلی) دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا فرمایا پھر کوئی حرج نہیں۔" (اسے نسائی کے سوا اصحاب سنن اربعہ نیز امام احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ، دار قطنی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے، نیموی نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے)

لیکن سادات حنفیہ فرماتے ہیں:

"وإذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس لأنه يبقى نفلا مطلقا وهو مكروه بعد الصبح، ولا بعد إرتفاعها عند أبي حنيفة وابي يوسف."

(الهداية، ١/٤٧٨)

"اگر فجر کی سنتیں وقت پر نہیں پڑھ سکا تو ان کی قضا نہیں ہے نہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کیونکہ اب وہ مطلق نفل ہوگئی ہیں اور صبح کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور نہ سورج چڑھنے کے بعد قضا پڑھے گا، ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا یہی قول ہے۔"

نیز ملاحظہ ہو فتاوی دار العلوم دیوبند (۲۰۳/۴)

اس طرح سورہ حج میں دو سجدہ ہائے تلاوت کے متعلق مرفوع (بسند ضعیف) اور مرسل روایت موجود ہے لیکن احناف دوسرے سجدہ کو تسلیم نہیں کرتے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۴۲۳/۴)

نیز ملاحظہ ہو اعلاء السنن (۷/۲۴۱)

لیکن اس کے باوجود مولانا بہ تکرار فرماتے ہیں:

''حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے بلکہ قول صحابی وقول تابعی کبیر بھی قیاس پر مقدم ہے۔''

یہ ادعائے محض ہے، بہت سی مثالیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں صحیح احادیث کو رد کر دیا گیا، ان کی طرف رجوع طبع نازک پر گراں ہو تو ایک مثال اور دیکھ لیں۔

امام بخاریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عن النَّبِيِّ ﷺ لاَ تُصَرُّوا الإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْد أَنْ يَحْتَلِبَهَا إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَ إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ.'' (صحيح البخاري كتاب البيوع)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹنیوں اور بکریوں کا تصریہ نہ کرو (جب کسی دودھ والے جانور کو بیچنا مقصود ہو تو کئی وقت اس کو نہیں دوہتے خریدار دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا دودھ بہت زیادہ ہے اس عمل کو تصریہ یا تحفیل کہتے ہیں) جو شخص ایسا جانور خرید لے اسے دوہنے کے بعد اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ایک صاع کھجور کے ہمراہ واپس کر دے۔''

امام بخاریؒ نے اس حدیث کے معاً بعد فقیہ امت محمدیہ ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ باسند ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضى الله عنه قَالَ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ.''

(صحيح البخاري كتاب البيوع باب النهي للبائع أن يحفل الإبل والبقر والغنم وكل محفلة)

''جو ایسی بکری خریدے جس کی تحفیل کی گئی ہو تو اگر واپس کرے تو چاہئے کہ اس کے ساتھ ایک صاع کھجور دے۔''

سادات حنفیہ کے ہاں اس حدیث پر عمل نہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر، اور جو عذر حنفی فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے اس کی تقریر مولانا حسین احمد دیوبندیؒ کے الفاظ میں

یوں ہے:

''خبر واحد صحیح قیاس پر مقدم ہوتی ہے جب کہ خبر واحد کا راوی فقیہ ہو اگر راوی فقیہ نہ ہو تو خبر واحد کو قیاس پر ترجیح نہ دی جائے گی۔'' (تقریر ترمذی ۶۷۵)

کہاں حضرت فخریہ فرمارہے تھے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے اور کہاں حضرت شیخ الہند کا یہ تہور کہ فرماتے ہیں:

''اس روایت کو امام صاحب نے خلاف قواعد کلیہ شرعیہ سمجھ کر چھوڑ دیا تو کیا غضب ہوا؟''

(تقاریر حضرت شیخ الہند،۱۴۴)

اس مثال سے اور اس سے پہلے ذکر کی گئی مثالوں سے یہ بات واضح ہو چکی کہ فقہ حنفی کے یہ اصول صرف دکھانے کے دانت ہیں۔

اصل معمول بہ قول امام مذہب ہے اور بس، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین ان کے موافق ہوں تو فبہا ورنہ ان کی کوئی حیثیت نہیں، تاویل کے نام پر تحریف کے ہزار طریقے ان کے پاس ہیں، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

''اے جماعت مقلدین تمہارا حال عجیب ہے جب تمہیں کوئی آیت اپنے امام کے قول کے موافق مل جائے تو ظاہر تو یہ کرتے ہو کہ تم اس پر عمل پیرا ہو حالانکہ تمہارا دارومدار اپنے امام کے قول پر ہوتا ہے، آیت پر نہیں، اگر اسی طرح کی آیت تمہارے امام کے قول کے مخالف ہو تو تم اس پر عمل کرنے کی بجائے اس کی تاویل اور اسے ظاہر معنی سے ادھر ادھر کرنے پر پورا زور لگا دیتے ہو کہ وہ تمہارے مذہب کے موافق نہ تھی، بالکل یہی طرز عمل تمہارا سنت کی نصوص میں ہے، اگر تمہیں کوئی حدیث اپنے مذہب کے موافق مل جائے تو اسے لے لیتے ہو اور کہنے لگتے ہو ہماری دلیل فلاں فلاں حدیث ہے، اور جب تمہیں ایک صد سے بھی زیادہ احادیث اپنے امام کے قول کے مخالف ملیں تو تم آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھتے ...... اگر اپنے مذہب کے موافق مرسل روایت مل جائے تو کہتے ہو ہمارے نزدیک مراسیل حجت ہیں اور جب تمہیں یک صد مرسل دکھائی جائے جو تمہارے امام کے مذہب کے خلاف ہو تو اول سے آخرت تک سب کو رد کر دو گے اور کہو گے ہم مرسل پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے بھی عجیب تر تمہارا یہ رویہ ہے کہ بسا اوقات تم ایک حدیث پر عمل کرتے ہو مرسل

ہو یا مسند اس لئے کہ وہ تمہارے امام مذہب کے قول سے موافقت رکھتی ہے پھر اسی حدیث میں ایک اور حکم ہو جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہو تو تم اس حصے پر عمل نہیں کرتے حالانکہ وہ ایک ہی حدیث ہوتی ہے، گویا کہ اس کا وہ حصہ تو حجت ہے جو تمہارے اس امام کی رائے کے موافق ہے جس کی تم تقلید کرتے ہو اور وہ حصہ حجت نہیں ہے جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہے۔''

(اعلام الموقعین ۲/۲۱۴)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے سیال قلم نے جس حقیقت کے بیان میں کئی صفحات کا احاطہ کرلیا علامہ کرخی نے دوسطروں میں بیان کردیئے تھے:

''إن كل آية تخالف قول أصحابنا فإنها تحمل على النسخ أو على الترجيح والأولى أن نحمل على التأويل من جهة التوفيق.''

(أصول كرخي مع اصول بزدوی ۳۷۳)

''ہر آیت جو ہمارے ائمہ کے قول کے خلاف ہے اسے منسوخ یا مرجوح سمجھا جائے گا بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کرلیا جائے تاکہ موافقت ہو جائے۔''

نیز فرمایا:

''إن كل خبر يجئ بخلاف قول أصحابنا فإنه يحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله'' (ایضاً)

''ہر حدیث جو ہمارے ائمہ کے قول کے خلاف وارد ہو منسوخ سمجھی جائے گی یا یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی مثل اس کے معارض وارد ہے۔'' (ایضاً)

یعنی معاملات پہلے ہی سے طے ہیں اور جواب تیار ہے، یہ ہے حقیقت تقلید اور مذہب امت تقلید، اور مولانا فرماتے ہیں کہ '' دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں'' وہ خود ہی بتائیں کہ سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ ؎

لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

بہرحال مولانا کی یہ تقریر دلپذیر سن کر شاگرد کہنے لگا'' اب میری آنکھ کھل گئی ہے اور میں اہل حدیث کے مغالطے سے نکل گیا ہوں۔''

ہمیں یقین کامل ہے کہ اس کے فوراً بعد مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی ہوگی اور وہ کہہ اٹھے ہوں گے کہ ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا

مولانا **غفر اللہ لنا ولہ** اس وقت اس دنیا میں نہیں، وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ہر قسم کے مغالطے ختم ہو جاتے ہیں، سب حجاب چھٹ جاتے ہیں اور نقاب اتر جاتے ہیں "**فبصرک الیوم حدید**" ان کے اٹھائے ہوئے سوال بعض ناپختہ ذہنوں کے لئے غلط فہمی کا ذریعہ نہ بن رہے ہوتے تو ہم ان سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھتے، بہرحال اب بھی مقصد صرف ممکنہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔

مولانا کا یہ مضمون ماہنامہ البلاغ کراچی کے شوال ۱۳۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، تو علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر کرنا شروع کیا تھا، علامہ صاحب کی تحریر میں ان کی خطابت کا رنگ، ان کی تقریر کا دبدبہ اور طنطنہ تھا، کثرت اسفار اور متنوع اشغال نے انھیں تکمیل کی مہلت نہ دی حتی کہ ان کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آ گیا، اور ان کے بہت سے منصوبوں کی طرح یہ مضمون بھی تشنہ تکمیل رہ گیا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

نامکمل ہونے کے باوصف یہ تحریر مدلل اور زوردار ہونے کے باعث مقبول ہوئی، احباب کے اشتیاق نے اسے یکجا دیکھنے کی تمنا کی، تو بطور تمہید اور تعارف کے یہ سطور سپرد قلم کر دیں۔

اس مقام پر ایک بات کہنا از حد ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہی مذاہب پر گفتگو کرتے ہوئے حنفی مذہب کے ضمن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی آ جاتا ہے، ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مروجہ حنفیت سے امام عالی مقام اسی طرح بری ہیں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام (موجودہ) نصرانیت سے، خلاف نصوص اکثر اقوال کی نسبت ان کی طرف درست نہیں اور جن کی درست ہے ان سے وہ "**إذا صح الحديث فهو مذهبي**" کہہ کر رجوع فرما چکے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور ان کا یہی فرمان یہ شان رکھتا ہے کہ جس کے بارے میں بجا طور پر اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔

ولعنة ربنا اعداد رمل

علی من رد قول أبی حنیفة

ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا إنک رؤوف رحیم اللّٰھم ارنا الحق حقا وارفعنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلی الله علی نبینا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین

خادم العلم والعلماء

حافظ عبدالحمید ازھر

خطیب محمدی مسجد ایمن آباد

راولپنڈی

۱۲ربیع الاول۱۴۱۹ھ

تقلید کے بارے میں ایک گفتگو

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا ایک بھانجا مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ ہوکر علیگڈھ میں ایک ڈاکٹر کا کمپونڈر بن گیا، یہ ڈاکٹر جماعت اہل حدیث سے منسلک تھا، اس لئے اپنے کمپونڈر کو بھی جماعت اہل حدیث میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اپنے مسلک کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی، تین سال تک وہ اس مسلک کی کتابیں دیکھتا رہا بالآخر غیر مقلد بن گیا، تین سال کے بعد حضرت مولانا ؒ سے ملنے سہارنپور آیا اور آتے ہی صاف کہہ دیا کہ اب میں حنفی نہیں ہوں بلکہ جماعت اہل حدیث میں شامل ہوگیا ہوں، حضرت مولانا کو بہت افسوس ہوا اور مدرسہ مظاہر العلوم کے علماء سے فرمایا کہ اپنے اس شاگرد کو سمجھاؤ اور اس کے شبہات کا ازالہ کرو، تین دن تک وہ علماء مظاہر العلوم سے گفتگو کرتا رہا اور اپنے مسلک جدید پر جما رہا، اتفاق سے اس زمانے میں یہ بندہ بھی حضرت مولاناؒ سے ملنے کو تھانہ بھون سے سہارنپور پہنچ گیا، مجھے دیکھ کر حضرتؒ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا تم بڑے اچھے موقع پر آئے، یہ تمہارا شاگرد حقیقت سے بیزار ہوکر جماعت اہل حدیث میں شامل ہوگیا ہے، تین دن سے علماء مظاہر العلوم اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ اپنی بات پر جما ہوا ہے تم بھی اس کو سمجھاؤ، یہ باتیں ہورہی تھی کہ وہ بھی مجھ سے ملنے آگیا میں نے کہا بعد عشاء کے مجھ سے ملو، جب وہ وعدہ کر کے چلا گیا حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اس نے تین سال تک اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس لئے نظر وسیع ہوگئی ہے گفتگو میں اس کا لحاظ رہے، میں نے کہا ان شاء اللہ اس کا لحاظ رکھوں گا آپ بھی دعا و توجہ سے مدد فرمائیں، چنانچہ حسب قرارداد بعد نماز عشاء کے وہ میرے پاس آیا جب کہ میں بستر پر لیٹ گیا تھا، وہ پاؤں دبانے لگا، میں نے بھی انکار نہ کیا، آخر تو شاگرد تھا، اب حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ظفر: ہاں صاحب زادے بتلاؤ اب تمہارا مسلک کیا ہے؟
شاگرد: عمل بالحدیث الصحیح۔

ظفر: بس بالحدیث الصحیح ؟ عمل بالقرآن نہیں؟

شاگرد: جناب والا عمل بالقرآن تو سب سے پہلے اس کے بعد عمل بالحدیث الصحیح ہے۔

ظفر: اگر تمہارا مسلک ہوتا تو پہلے عمل بالقرآن کو بیان کرتے پھر عمل بالحدیث کا نام لیتے۔

شاگرد: وہ تو ظاہر ہے اس لئے بیان کی ضرورت نہ سمجھی۔

ظفر: یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے، لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو، اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں، اب میں تم کو بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا اختلاف ہے ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا، اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی، قرأۃ فاتحہ خلف الامام ہی کا مسئلہ لے لو ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا، سورہ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.﴾

(الأعراف/٢٠٤)

''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے، امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ یہ آیت باتفاق قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے(۱)۔ اس کے بعد ہم نے احادیث کو دیکھا تو کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ:

''وَإِذَا قَرأَ الإِمَامُ فَاقْرَؤا.''

جب امام قرأت کرے تم بھی قرأت کرو۔

''فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه

---

(۱) جن علماء نے اس کو خطبہ جمعہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ-۱۲ ظ

فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا۔"

تو حدیثوں میں موجود ہے۔

"کہ جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب رکوع کرے رکوع کرو، جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو، جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔"

مگر یہ کہیں نہیں کہ جب وہ قرأت کرے تم بھی قرأت کرو بلکہ اگر ہے تو "وإذا قرأ فانصتوا" ہے، کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو، امام مسلمؒ اور امام احمدؒ نے اور بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، حنفیہ نے اس کو ترجیح دی اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کیا۔

آمین کے مسئلہ میں بھی حنفیہ نے اول قرآن کو دیکھا چونکہ آمین دعا ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، اس لئے دعاء کے بارے میں قرآن کو دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً﴾

"اپنے رب سے تضرع کے ساتھ آہستہ دعا کرو۔"

تو ہم نے مسئلہ میں شعبہؒ کی روایت کو ترجیح دی جس میں وارد ہے:

"فَقَالَ آمِيْن وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ."

"آپ نے سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہی اور آواز کو پست کیا۔"

یعنی آہستہ سے آمین کہی، یہ حدیث ترمذی میں ہے۔

نماز کے اندر رفع یدین کے بارے میں بھی ہم نے اول قرآن کو دیکھا تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا:

﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾

اور

﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾

پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو، دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے

معنیٰ بھی سکون ہی کے ہیں، اس کے بعد احادیث کو دیکھا تو صحیح مسلمؒ میں روایت موجود ہے کہ صحابہ نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھا کر ''السلام علی فلان السلام علی فلان'' کہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مالي أراكم رافعي ايديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة''

''یہ کیا حرکت ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم اٹھاتے ہیں، نماز میں سکون سے رہو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے حالانکہ سلام کا وقت نماز میں داخل بھی ہے اور خارج بھی ہے تو رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسے مناسب ہوگا، رکوع تو بالکل داخل صلوٰۃ ہے، ہاں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا درست ہے کہ وہ داخل صلوٰۃ یعنی رکن نہیں بلکہ شرط صلوٰۃ ہے، اس لئے حنفیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں رکوع کے وقت ترک رفع یدین آیا ہے، اسی پر اور مسائل کو قیاس کرو کہ حنفیہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث میں سے جو نص قرآن کے موافق یا قریب ہوں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاگرد: واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا، مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

ظفر: عزیز من! پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو مگر دیکھو حدیث صحیح کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کرنا۔

شاگرد: یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پسینہ پسینہ ہوگیا پھر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے، پھر بخاریؒ، مسلمؒ وترمذیؒ وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کی تقلید ناجائز ہو، یہ کیونکر ہوسکتا ہے، اب میں مسلک اہل حدیث کو چھوڑتا ہوں اور مسلک حنفی اختیار کرتا ہوں۔

ظفر: تم بہت جلد سمجھ گئے اس سے دل خوش ہوا مگر اس کی اچھی طرح وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں وہ بھی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا حسن بغیر تقلید کے نہیں کہہ سکتے، رہا یہ عذر کہ حق تعالیٰ نے خبر صادق اور شہادت عادل کو

حجت قرار دیا ہے تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباع حجت ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض خبر نہیں بلکہ اس کا مدار محدث کے ظن و اجتہاد پر ہے، بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے، اور علت کی معرفت حاذقین ہی کو ہوتی ہے، ہر محدث کو نہیں ہوتی، ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی معرفت بھی الہام ہے، ابن نمیر نے کہا واقعی سچ ہے اگر محدث سے پوچھو کہ تم نے کیسے کہا (کہ یہ حدیث صحیح ہے یا معلل ہے) تو اس کے پاس کچھ جواب نہ ہوگا، احمد بن صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت بھی ایسی ہی ہے جیسے سونے اور پیتل کا پہچاننا، کیونکہ جوہر کو جوہری ہی پہچانتا ہے، پرکھنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم نے اس کو کھرا اس کو کھوٹا کیسے کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں بیان کر سکے گا، اس سے ثابت ہو گیا کہ ائمہ حدیث کا کسی حدیث کو صحیح یا معلل کہنا محض خبر نہیں بلکہ ان کا یہ قول ان کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے، تو اس بات میں ان کی بات پر اعتماد کرنا عین تقلید ہے، علامہ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا کہ یہ احکام میں تقلید نہیں اس لئے صحیح نہیں کہ حدیث صحیح پر عمل کرنا شرعاً واجب اور ضعیف پر عمل کرنا غیر واجب اور موضوع پر عمل کرنا حرام ہے تو یہ تقلید احکام ہی میں ہے، غیر احکام میں تو نہیں، اسی لئے فقہاء نے بحث سنت کو اور اس کے قبول و رد کے قواعد کو اصول فقہ میں بھی بیان کیا ہے، علامہ ابن القیمؒ کا اس کو اتباع کہنا تقلید نہ کہنا لفظوں کی ہیر پھیر ہے حقیقت ایک ہی ہے ۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

عزیز من! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے، اب تم بتلاؤ کہ ائمہ قرأت کی تقلید کے بغیر قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں! اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہی ہے، اسی طرح حدیث کو پہچاننا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا بھی واجب ہے اور اس میں تقلید ائمہ سے چارہ نہیں، پھر جماعت اہل حدیث کس منھ سے تقلید کا انکار کرتی ہے؟ پھر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت وضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے، بلکہ اپنے ظن واجتہاد سے مقرر کئے ہیں، ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت و ضعف حدیث کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو اصول فقہ کی بحث میں مذکور ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح، ہمارے اصول پر ضعیف ہو یا ہمارے اصول پر صحیح ہو محدثین

کے اصول پر ضعیف ہو تو اس میں نزاع کرنا غلط ہے۔

دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں، آخر میں اتنا اور بتلا دوں کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا، حنفیہ تو قرون ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کردیتے ہیں اور مراسیل ومقاطیع کا ذخیرہ احادیث مرفوعہ سے کم نہیں، کچھ زیادہ ہی ہے، تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں پھر مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں، ضعیف کو رد کردیتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس سے مقدم ہے بلکہ قول صحابی وقول تابعی کبیر بھی قیاس سے مقدم ہے، اب تم ہی بتلاؤ کہ عامل بالحدیث کون ہے اور تارک حدیث کون؟ رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ اس صورت میں جس حدیث پر حنفیہ نے عمل کیا ہے وہ ان کے اصول پر صحیح تھی گو محدثین کے نزدیک ضعیف ہو، حنفیہ کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی شرائط ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور ہم نے مقدمہ اعلاء السنن میں بھی ان کو بیان کردیا ہے، اور مقدمہ اعلاء السنن کے دوسرے حصہ میں تقلید و اجتہاد پر مفصل کلام کیا گیا ہے جو زیر طبع ہے۔

شاگرد الحمد للہ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میں اہل حدیث کے مغالطہ سے نکل گیا ہوں۔

والحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

احباب دیوبند

کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر

از رشحات قلم

شہید اسلامہ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہوتا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
تو حضرت دل اور سنو تازہ خبر اور

شکوت و ما شکوی لمثلی عادۃ ولکن تفیض الکاس عندا متلائھا

مسلک احناف سے وابستہ ایک گروہ دیوبندی مکتب فکر کے متعلق ہمارا نقطہ نگاہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اس سے حتی الوسع ٹکراؤ کی کوئی صورت پیدا نہ ہونے دی جائے، کیونکہ اس بدعات و محدثات اور کفر والحاد کے دور میں اہل توحید کی باہمی آویزش باطل فرقوں اور جماعتوں کی تقویت کا باعث بن سکتی ہے، نیز اس سے توجہات کے اصل دین کی بیخ کنی کرنے والوں سے ہٹ جانے کا احتمال رہتا ہے، لیکن افسوس حضرات دیوبند اس بات کا چنداں خیال نہیں رکھتے اور بجائے اس بات کے کہ وہ اپنی انرجی (Energy) کو ان مذاہب اور فرق کی سرکوبی میں صرف کریں جو دین حنیف پر ڈاکہ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف اور شریعت مطہرہ کی صورت بگاڑنے میں مشغول ہیں، الٹا اسے اس ''گروہ عشاق'' پر طعنہ زنی اور نیش زنی میں صرف کرتے ہیں جس نے لاتعداد قربانیاں دے کر اس برصغیر میں توحید اور اتباع رسول ﷺ (فداہ روحی) کا علم بلند کیا، اور اسے ان علوم حدیث سے منور کیا جو صدیوں سے مہجور و متروک تھے، اور جس نے بے شمار مصائب سہہ کر عمل بالحدیث کی اس شمع کو فروزاں کیا جو برس ہا برس سے بجھی بجھی اور خاموش خاموش تھی، فدائیوں کا وہ ''طائفۃ مقدسۃ'' جس نے ہر مخالف اسلام اور خلاف شرع قوت کے سامنے سد سکندری کا کام دیا اور یہی نہیں بلکہ وہ جماعت جس کی کاوش و کوشش موجودہ دیوبندی مکتب فکر کی تکوین کا باعث بنی اور جس نے ہندو پاک کے احناف کے مسلک و مذہب کو جلا بخشی اور اس میں نکھار پیدا کیا (۱) آنے والا مؤرخ اس بات کی گواہی دے گا کہ اگر متحدہ ہندوستان میں اہل حدیث نہ ہوتے تو یہاں حنفیت، بریلویت کے حدود

(۱) چنانچہ ایک معروف حنفی عالم مولانا مناظر احسن بہاریؒ نے ایک دفعہ ''برہان'' میں لکھا ''اس کو تسلیم کرنا چاہئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کو جو پلٹی اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے۔'' (ماہنامہ برہان، دہلی ۲ جلد ۱۴/ اگست ۱۹۵۸)

سے باہر نہ نکل سکتی، اس لحاظ سے دیوبندیت رہین منت ہے اہل حدیث کی، اوریہی وجہ ہے کہ اہل حدیث کا رویہ دیوبندیوں سے ہمیشہ مخلصانہ و برادرانہ رہا ہے، اور انھوں نے کبھی اپنے درمیان اوران کے درمیان دوری محسوس نہیں کی اور جب بھی کوئی ایسی بات ہوئی انھوں نے توحید کو قدر مشترک قرار دے کر اغماض اور چشم پوشی سے کام لیا، الا یہ کہ پانی سر سے گزرنا شروع ہوجائے، چنانچہ اہل حدیث کی قدیم سے لے کر آج تک کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اکابر دیوبند کا نام احترام وعزت سے لیا اور انھیں اپنے جلسوں، کانفرنسوں اور اجتماعات میں شرکت کی دعوت دیتے رہے، اور کبھی ان کے بارے میں تنگ دلی اور کم ظرفی کا ثبوت نہیں دیا اور نہ ہی فتویٰ میں ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی، اور نہ ہی خطبات جمعہ وعیدین میں ان کو بحث کا موضوع بنایا، لیکن دوسری طرف سے اس بارے میں نہ صرف یہ کہ کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا گیا بلکہ منفی کام کرنے پرصرف زور دیا گیا، چنانچہ گوجرانوالہ کے دو محترم بھائیوں کا اہل حدیث کے ساتھ معاملہ ہمیشہ برادران یوسف کا سارہا، انھوں نے جب کوئی کتاب تالیف کی اس میں اہل حدیث اکابر پر خصوصیت سے نظر کرم فرماتے رہے، خواہ موضوع کچھ ہی کیوں نہ ہو اور پھر انداز واسلوب انتہائی سوقیانہ اور الفاظ وتراکیب انتہائی عامیانہ، وہیں کے ایک اور دیوبندی بزرگ جن کا تعارف برادران گرامی میں سے ایک یوں کراتے ہیں کہ ان کے مزاج میں حدت اور شدت بہت ہے اس لئے ہر جگہ بس ایک ۔

میخانہ ازل میں جہان خراب میں
ٹھہرا گیا نہ ایک جگہ اضطراب میں

کا نمونہ ہیں، اور مزاج میں شدت اور حدت کے ساتھ ساتھ تعلی اور جذباتیت بھی حد درجہ کی ہے۔ (فتوحات حسینی ص ۴۰)

عموماً اہل حدیث کو اپنی زبان میں کوسنے دینا فرض سمجھتے ہیں، جس کے متعلق مؤلف ''فیوضات'' یوں رقمطراز ہیں: کہ ان کی تفسیر میں زبان آج سے تقریباً دوسو سال قبل کی استعمال کی گئی ہے، بالفاظ دیگر ملا رموزی کی گلابی اردو میں لکھی گئی ہے (حوالہ مذکور) انہی بزرگوار کے ایک بھائی نے جواب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں کافی عرصہ تک۔ قلعہ دیدار سنگھ کی فضاء کو اہل حدیث کے

خلاف مسموم بنائے رکھا، اور اب ان کے تلامذہ اور متعلقین اہل حدیث کے خلاف تند و تیز لب ولہجہ میں لکھے ہوئے رسائل کو چھاپ کر دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں، بعینہ لاہور کے ایک محترم دیوبندی عالم نے لاہور کی پرسکون فضا سے نالاں ہوکر ایک ٹرسٹ کا قیام کیا اور نام اس کا اسلامی ٹرسٹ رکھا، اور سب سے پہلا رسالہ جو اس ٹرسٹ سے شائع کیا وہ مولوی رفیق دلاوری مرحوم کا امام العصر مولانا میر سیالکوٹیؒ کی رد میں تالیف کردہ تھا، اس طرح سے اہل حدیث کو ان کے اس عمل نیک کی سزا دی کہ انھوں نے مولانا محترم کو ہندوستان سے ہجرت کے بعد اپنے مدرسہ میں مسند تدریس پیش کی تھی، اور مولانا متبادل انتظام ہونے تک اس پر جلوہ افروز رہے تھے ؎

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر ایک عدو نے کیا

اور تو اور خود مولانا ادریس کاندھلوی ایسی گرامی شخصیت کا عالم یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے خطبات اور درسی تقاریر میں اہل حدیث کی تردید اور مذمت نہ فرما[ئیں] ان کا غصہ فرو نہیں ہوتا، یہی حال ان کی تصنیفات کا ہے، ابھی حال ہی میں ایک کتابچہ جس کا نام شاید ''اجتہاد و تقلید'' تھا دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو مولانا اہل حدیث کے متعلق کہہ سکتے اور آپ نے نہ کہی ہو، طرز تخاطب انتہائی تحقیرانہ اور توہین آمیز اور اسلوب نگارش انتہائی کھردرا اور غضب آلود، اسے پڑھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوا اور ان خیالات پر بڑی کاری ضرب لگی جو حضرات دیوبند کے متعلق تھے، اصاغر تو تھے ہی اصاغر، لیکن مولانا کاندھلوی بہرحال دیوبندی حلقہ کے ایک بلند پایہ بزرگ ہیں، ان ہی دنوں مولانا کی ایک تقریر کے اقتباسات بھی کسی پرچہ میں دیکھنے کا موقع ملا، اس سے اس دکھ اور افسوس میں اور اضافہ ہوا، اسی طرح کئی ایک لوگوں سے ان کی عام تقاریر کے بارے میں معلوم ہوا، بعینہ صورت مولانا احمد علیؒ کے فرزند اکبر اور جانشین کے بارے میں معلوم ہوئی اور اہل حدیث کے متعلق ان کے [illegible] سننے میں آئے، اور اس سلسلہ میں یہ روایت سن کر بڑا ہی تعجب ہوا کہ مولانا احمد علیؒ کی وفات کے بعد شیخ محمد اشرف، حاجی اسحاق حنیف اور میاں عبدالمجید ناظم مالیات مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان حضرت مولانا کے جانشین محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کی کہ لاہور میں ہمیشہ سے معمول یہ رہا ہے کہ اہل حدیث اور دیوبندی منٹو پارک (اقبال

پارک) میں اکٹھے عید پڑھتے ہیں، بنابریں مولانا مرحوم بھی منٹو پارک میں مولانا غزنوی مرحوم کے پیچھے عید کی نماز پڑھا کرتے تھے، اس لئے درخواست لے کر آئے ہیں کہ آپ بھی حسب معمول نماز عید منٹو پارک میں ادا کریں، امامت کے فرائض مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر جمعیت اہل حدیث سرانجام دیں گے، تو مولانا محترم نے جواب دیا کہ میرے نزدیک تو اہل حدیث کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، اس لئے منٹو پارک میں عید پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، رہی بات مولانا مرحوم کی، تو وہ تو اب دنیا سے رخصت ہو گئے اس لئے وہ جانیں اور ان کا کام! اور یہ تینوں حضرات حیران و پریشان کف افسوس ملتے ہوئے افسردہ دل واپس لوٹ آئے کہ مدتوں کا اتحاد یوں لمحہ میں جناب مکرم نے پارہ پارہ کر دیا ؎

گفتی کہ چہ شد قاعدہ مہر و محبت
رسم کہنی بود بعہد تو برافتاد

ایک طرف تو یہ عالم ہے اور ایک طرف یہ کہ ہم نے کسی دیوبندی امام کے پیچھے نماز ناجائز ہونا تو کجا، کبھی کراہت تک محسوس نہیں کی۔

رہ گئے مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا قاری طیب صاحب تو یہ اہل حدیث کے دیرینہ کرم فرما ہیں اس لئے ان کی بات کا ہم نے کبھی نوٹس ہی نہیں لیا، لیکن ہندوستان میں اس حلقہ کی چھپی ہوئی ایک کتاب مقدمہ انوار الباری کو دیکھ کر دل و دماغ کے تار جھنجھلاتے ہیں کہ حضرات دیوبند کو اہل حدیث سے کس قدر کینہ اور دشمنی ہے، اور کس طرح ان کی پوری کوششوں اور کاوشوں کا مرکز و محور اہل حدیث کی نیستی اور تدمیر ہے، اور وہ اس عداوت میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ اس سب و شتم سے امام الہند مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اور محدث دوراں و مجدد مائۃ حاضرہ نواب صدیق حسن خان رحمہما اللہ سے لے کر امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ تک کوئی بھی شخصیت محفوظ نہیں ؎

فلو کان رمحا واحدا لاتقیته
ولکنه رمع وثان و ثالث

کچھ یہی حالت مولوی عبدالرشید نعمانی کی ہے کہ ان کے غیظ وغضب کا جام جب ٹوٹتا ہے تو اہل حدیث پر ٹوٹتا ہے، اور پھر وہ غیظ وغضب میں بڑی سے بڑی عظیم المرتبت ہستی پر چھینٹے

دینے سے باز نہیں رہ سکتے، انھوں نے بڑوں بڑوں کو معاف نہیں کیا ان سب چیزوں کے باوصف ہم نے کبھی اپنے اول الذکر نقطہ نظر کو متاثر نہیں ہونے دیا، اور ہمیشہ کی طرح کبھی اس مکتبۂ فکر سے بگاڑنے کی نہیں سوچی کہ ان میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ ایسے اہل توحید کے اتحاد کے داعی اور مولانا مفتی محمد شفیع ایسے فرقہ پرستی کے مخالف لوگ موجود ہیں، اور اس وجہ سے ان حضرات سے ہمیشہ ملاقات کے شائق اور متمنی رہے اور حرمین میں بکثرت ان سے ملاقاتیں بھی رہیں، اگرچہ مولانا غلام اللہ خان کے پرچہ ''تعلیم القرآن'' میں شاید ان کی بے خبری کی بنا پر کبھی کبھی اہل حدیث پر طنز وتعریض چھپتی ہی رہتی ہے، جس طرح مولانا مودودی اپنے درس قرآن میں اپنی حنفیت کی بنا پر گاہے بگاہے اہل حدیث کو نوازتے رہتے ہیں، اور ''ایشیا'' و''آئین'' کے ذریعہ اس کی شہرت ہوتی رہتی ہے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ چوٹ جو دل پہ لگی اس کا سبب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ ''البلاغ'' کے شمارہ نمبر۱۰ بابت ماہ جنوری میں درج شدہ ایک مضمون ہے اور یہی مضمون ان سطور کا محرک بنا ہے، اس میں اہل حدیث پر جو دشنام طرازی اور الزام تراشی کی گئی ہے اس کا ذکر تو آگے آئے گا، اس وقت مدعا گزارش یہ ہے کہ یہ مضمون اس محترم بزرگ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے جس کے ''اتحاد امت'' پر لکھے گئے مضمون کی سیاہی بھی ابھی خشک نہیں ہوئی، اور جس سے میں اس قدر متاثر ہوا تھا کہ جب مفتی صاحب محترم نے مدینہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جناب عطیہ سالم کے ہاں دیگر احباب کے ہمراہ مجھے اس کے عربی میں ترجمہ کے متعلق ارشاد کیا تھا تو میں نے فوراً اپنی آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے مسودہ لے لیا تھا اور جس کی بنا پر میں ہمیشہ مفتی صاحب کی مدینہ منورہ میں آمد پر ان کے پاس حاضر ہوتا اور ان کی صحبت سے استفادہ کی کوشش کرتا، اور محترم کے صاحبزادہ گرامی اس کے گواہ ہیں، ان کے پرچہ میں اہل حدیث کے خلاف اس قسم کے بے سروپا، بے بنیاد اور تند وتلخ مضمون کا چھپنا کم از کم مجھ ایسے مخلصوں کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں، اس مضمون نے میری طرح کے کئی ایک ان لوگوں کے دلوں کو سخت مجروح اور جذبات کو شدید کچلا ہے جو اتحاد امت کے بہت بڑے خواہش مند اور خصوصاً اہل توحید کی یگانگت کے زبردست متمنی ہیں، یہ مضمون جو بصورت مکالمہ ''البلاغ'' کے جنوری کے شمارہ میں چھپا ہے۔

ٹنڈوالہ یار کے شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا ہے اور اس کا موضوع شاعری

کی زبانی وہی ''جرم بے جرمی'' ہے جو اہل حدیث عام کیا کرتے ہیں کہ ؎

خونے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

اور ؎

کہ یاراں دیگر را می پرستند

یعنی تقلید اور عنوان ہے:

تقلید کے بارے میں ایک گفتگو

مولانا اس من گھڑت اور جھوٹے قصہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا ایک بھانجا مظاہر العلوم سے فارغ ہونے کے بعد کسی اہل حدیث ڈاکٹر کے پاس ملازم ہو گیا اور تین برس بعد اس نے حنفیت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شمولیت اختیار کر لی، مظاہر العلوم کے اساتذہ نے اس کے شبہات دور کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، آخر میں میرے ساتھ گفتگو ہوئی اور میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مسلک کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ عمل بالحدیث الصحیح! میں نے کہا عمل بالقرآن نہیں تو اس نے کہا وہ تو ہے ہی، میں نے جواب دیا ''یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ <u>اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے</u>۔''

(البلاغ، حصہ ۲۴، شمارہ ۱، بابت جنوری ۱۹۶۸ء)

خط کشیدہ الفاظ کو دوبارہ ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ سینوں میں اہل حدیث کے خلاف کس طرح لاوا پک رہا ہے، مندرجات پر گفتگو سے پہلے اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا شمار دیو بند کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے، اور بیسیوں سال سے وہ مسند تدریس کو سنبھالے ہوئے ہیں اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں، لیکن اہل حدیث کی مخالفت میں سطحیت کا یہ عالم ہے کہ اس قدر پست الفاظ بولتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، اور اتنا بڑا الزام تراشتے ہوئے خوف خدا بھی پیش نظر نہیں رہتا، قرآن پر کون عمل نہیں کرتا ہے؟ یہ تو ہم عرض کریں گے ہی لیکن اس وقت یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ مولانا عثمانی ساری عمر اہل حدیث کے خلاف لکھتے

اور بولتے رہے اور خدا نے ان کو دنیا میں ہی اس کا بدلہ دیا ہے کہ بیٹوں نے حدیث کی مخالفت شعار کر لی ہے، باپ اہل حدیث کی تردید میں لکھتے اور بولتے ہیں گویا کہ جس عمارت کی نیو باپ نے رکھی تھی بیٹوں نے اسے استوار کر دیا ہے ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ پر زبان طعن دراز کرنے والوں کے گھروں اور مدرسوں میں صحیح بخاریؒ کی احادیث کو ماننے والے پیدا ہوں اور پروان چڑھیں ؎

سقوني وقالوا لا تغن لو سقوا! جبال سراة ما سقت لغنت

اب ذرا مولانا عثمانی کے اس بہتان کو دیکھئے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے، سب سے پہلے ہم ان دلائل کا تجزیہ کریں گے جو مولانا نے اہل حدیث کے قرآن پر عمل نہ کرنے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام

پہلی دلیل مولانا نے یہ پیش کی ہے کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(الأعراف/٢٠٤)

''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے۔

گویا مولانا کے نزدیک اہل حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ کر قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے حکم کو نہیں مانتے، حالانکہ مولانا کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم خود صاحب قرآن محمد اکرم ﷺ نے دیا ہے، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ناطق وحی

اور وہ ذات جن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہو کوئی عمل خلاف قرآن کریں، چنانچہ عبادہ بن الصامت روایت کرتے ہیں:

"صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِي وَاللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا."

"کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت دشوار ہوگئی چنانچہ آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو، عبادہ کہتے ہیں کہ ہم نے جواباً عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کچھ نہ پڑھا کرو مگر سورہ فاتحہ (ضرور پڑھا کرو) کیونکہ اس شخص کی نماز ہی نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔"

(یہ روایت ترمذی ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے اور امام ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، ابن حبان حاکم اور بیہقی وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، حوالہ کے لئے دیکھئے التلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر)

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ"

(رواہ مسلم)

"کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی بھی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے اور ناتمام۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سن کر سائل نے کہا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو اس وقت کیا کریں؟ آپ نے فرمایا، اس وقت سورہ فاتحہ آہستہ پڑھو، یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔"

اور اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ."

"نماز بغیر فاتحہ کے ہوتی ہی نہیں۔" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اور شارح بخاری امام کرمانی اور شارح بخاری امام قسطلانی دونوں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہر ایک پر واجب ہے خواہ وہ امام ہو، مقتدی ہو، یا اکیلا ہو، اور چاہے نماز سری ہو یا جہری (قسطلانی وکرمانی)

اور اسی وجہ سے حکیم ہند شاہ ولی اللہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوۃ نبی است
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود خداوند ذوالجلال نے اس آیت کے آگے دوسری آیت میں فرمادیا ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (الأعراف/۲۰۵)

''کہ دل میں آہستہ آہستہ آواز نہ کرتے ہوئے صبح وشام (کہ یہ جہری نمازوں کے اوقات ہیں) پڑھتے رہو اور (چپ رہ کر کے) غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

اس لئے قرآن پر تو وہ عامل نہ ہوا جس نے سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے نہ پڑھا، نہ کہ وہ جس نے سورۂ فاتحہ پڑھی ؎

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ احناف کے تین بڑوں میں سے ایک امام محمدؒ کے متعلق حنفیہ کے مشہور امام مرغینانی ہدایہ میں رقمطراز ہیں:

"ویستحسن علی سبیل الإحتیاط فیما یروی عن محمد"

''کہ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ احتیاطاً پڑھنا اچھا فعل ہے۔''

تو گویا

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اگر مخالفت قرآن کی دلیل قرأت فاتحہ خلف الإمام ہی ٹھہری تو الزام سے ان کا دامن بھی آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ فقہ کا بیشتر حصہ جن کا رہین منت ہے اور جن کے متعلق بار بار فقہی

کتابوں میں آتا ہے:

"والفتوی علی قول محمدؒ"

کہ حنفی مذہب کا فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

دم اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ
کہ رو سیاہ ابھی اختیار باقی ہے

قرآن پر کون عمل نہیں کرتا

مولانا عثمانی نے اہل حدیث کو الزام دیا تھا کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ کر قرآن حکیم کی آیت: ﴿وإذا قرئ القرآن......﴾ پر عمل نہیں کرتے، اور ہم نے مختصراً ثابت کردیا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا عین منشاء نبوت اور مطابق قرآن ہے کہ آنحضرت (فداہ روحی) کی اس کے بارے میں صراحت آگئی ہے، اب ذرا احناف کو دیکھئے کہ بغیر کسی استناد کے کس طرح قرآن حکیم کی اس آیت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں، فتاوی عالمگیری کہ حنفی مذہب کا بہت بڑا ماخذ ومصدر ہے اس میں ہے کہ امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد مقتدی **سبحانک اللّٰھم** پڑھ سکتا ہے (عالمگیری باب صفۃ الصلاۃ) اب بتلایئے کہ قرآن پر عمل کس نے نہیں کیا؟ اہل حدیث نے جو رسول اللہ ﷺ کے حسب ارشاد اور قرآن کے حسب فرمان امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت کے قائل ہیں یا احناف نے جو بغیر کسی سند کے قرأت امام کے وقت **سبحانک اللّٰھم** پڑھنے کی اجازت بخشتے ہیں؟ ؎

ستعلم لیلی ای دین تداینت   وای غریم فی التقاضی غریمها!

اور فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب "منیة المصلی" میں تو یہاں تک فرمادیا ہے:

"وعن الفقیه أبی جعفر إذا أدرک الإمام فی الفاتحة یثنی بإتفاق، ذکره فی الذخیرة"

"کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں، جب مقتدی اس عالم میں نماز میں شامل ہو کہ امام سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ ثناء (**سبحانک اللّٰھم**) پڑھے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں

(صاحب منیہ کہتے ہیں) کہ یہ روایت ذخیرہ میں موجود ہے۔''

اور کبیری میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک سورہ فاتحہ ہی نہیں بلکہ اگر کسی دوسری سورہ کی تلاوت کررہا ہو تب بھی مقتدی ثناء پڑھے۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے حاشیہ منیۃ المصلی ص ۲۵۴ مطبوعہ نولکشور)

مولانا عثمانی اور قارئین انصاف فرمائیں اگر اہل حدیث امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ کر قرآن کے مخالف بن جاتے ہیں تو امام ابو جعفر اور امام ابو یوسف امام کے پیچھے پڑھ کر کیوں نہیں؟

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دوچار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں!

اور یہ بات ایک لطفیہ سے کم نہ ہوگی کہ مولانا عثمانی نے اہل حدیث کے قرآن پر عامل نہ ہونے کے اثبات میں اپنے تین بڑوں میں سے دو (امام محمدؒ اور امام یوسفؒ) کو ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کردیا۔

محتسب داند کہ حافظ مے خورد
و آصف ملک سلیمان نیز ہم

اور اہل حدیث پر تو فرد جرم نہ لگا سکے لیکن دو تہائی حنفیت سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھے۔

عشق تو قائم نہ ہوا آپ سے
اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہئے

مولانا عثمانی کو اگر ان لوگوں اور مسائل کی فہرست مرتب کرنا ہی تھی جو قرآن پر عمل نہیں کرتے یا قرآن کے مخالف ہیں تو انہیں اپنے فقہاء اور فقہ سے ہی بیسیوں لوگ اور مسائل مل جاتے کما سیجئ.

سردست اس آیت زیر بحث ﴿و إذا قرئ القرآن﴾ پر عمل نہ کرنے والے ایک اور حنفی فقیہ و عالم کا تذکرہ کئے دیتے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ اس پر عمل ہی نہیں کرتے بلکہ برسر منبر اس کے حکم کے ماننے تک سے انکاری ہیں اور وہ ہیں اصول فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب کے مصنف ملا جیونؒ، وہ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿و إذا قرئ القرآن﴾ آیت ﴿فاقرؤا ما تیسر من القرآن﴾ سے متعارض ہے، اس لئے دونوں کا حکم تعارض کی وجہ سے گر جائے گا اور دونوں پر عمل نہیں ہوگا اور ان

کے اپنے الفاظ ہیں:

"أن الآیتین إذا تعارضتا تساقطتا...مثاله قوله تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر من القرآن مع قوله تعالیٰ و إذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا، فإن الأول بعمومه یوجب القراءة علی المقتدی والثانی بخصوصه ینفیه وقد وردا فی الصلاۃ جمیعاً فتساقطا."

"یعنی جب دو آیتوں کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو دونوں کا حکم ساقط ہو جاتا ہے اور اس کی مثال فاقرؤا ما تیسر من القرآن اور و إذا قرئ القرآن ہے کہ پہلی آیت مقتدی پر قرأت واجب کرتی ہے اور دوسری آیت قرأت سے روکتی ہے اور دونوں آیات نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اس لئے دونوں پر عمل نہیں کیا جائے گا۔" (نور الانوار ص۱۹۳، مطبوعہ مجیدی کانپوری)

یہ ہے مخالفت قرآن دندنانے اور طنطنے کے ساتھ ؎

نہ آپ آئے نہ ہم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

☆☆☆

کیا بلند آواز سے آمین کہنا قرآن کے منافی ہے

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اہل حدیث کے قرآن پر عامل نہ ہونے کے ثبوت میں مولانا عثمانی نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہل حدیث اونچی آواز سے آمین کہتے ہیں حالانکہ آمین دعا ہے اور دعا کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾

اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ آہستہ دعا کرو۔

مولانا اہل حدیث کے خلاف عناد میں اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ انھوں نے اہل حدیث پر فرد جرم عائد کرنے کے لئے ایک ایسی دلیل تراش لی جس کی ائمہ احناف اور متقدمین حنفیہ میں سے کسی کو خبر نہ ہو سکی، اور وہ اس جوش میں اس قدر خود فراموش ہو گئے کہ اتنا بھی نہ سوچا کہ اس ستم رانی کی زد کس کس پر پڑے گی، اور تو اور اگر قرآن حکیم کی بے شمار ولا تعداد آیات پر ایک نظر ڈال لیتے جو دعا بالجہر کے متعلق وارد ہوئی ہیں تو بلند آواز سے دعا بالجہر کو منافی قرآن نہ بتلاتے، اور نہ ہی اس آیت کا وہ ترجمہ و مفہوم لیتے جو اب صرف اہل حدیث کو مطعون کرنے کے لئے لیا ہے کہ بصورت دیگر اس آیت میں اور دوسری آیات میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔ جس سے کلام خالق متعال منزہ و مبرا ہے اور جس کی برأت و تنزیہہ کی شہادت خود اصدق القائلین نے ان الفاظ میں دی ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.﴾

''یہ قرآن اگر غیر اللہ کا نازل کردہ ہوتا تو اس میں تضاد و اختلاف ہوتا۔''

چونکہ اس میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا نازل کردہ ہے اور وہ آیات وہ ہیں جن سے باآواز بلند دعا مانگنا ثابت ہے، چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَادَانَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ.﴾ (الصافات/۷۵)

''اور ہمیں نوح نے بآواز بلند پکارا اور ہم نے اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ﴾ (الأنبياء /٧٦)

''اور نوح (کو یاد کرو) جب اس نے بلند آواز سے پکارا تو ہم نے اس کی پکار کو قبول کیا۔''

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.﴾

(الأنبياء/٨٣)

''اور ایوب علیہ السلام کہ اس نے بلند آواز سے دعا کی (اے اللہ) مجھے تکلیف ہے پہنچی اور تو بہت رحم کرنے والا ہے۔ (میری تکلیف کو دور کر دے۔)''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ﴾ (الأنبياء/٨٤)

''ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور تکلیف دور کر دی۔''

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبياء /٨٧)

یہ اور اس قسم کی بیسیوں آیات اور ہیں، اس سب میں دعا کو بصیغہ نداء ذکر کیا ہے اور نداء عربی میں آواز بلند کو کہتے ہیں چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

''نداء رفع الصوت وظهوره''

کہ نداء کے معنیٰ آواز کا بلند کرنا اور اس کا ظاہر کرنا ہے۔

(مفردات امام راغب ص ۵۰۵ مصطفیٰ بابی حلبی)

اور لغت عرب کے امام ابن منظور افریقی مصری فرماتے ہیں:

''النداء ممدود الدعاء بارفع الصوت، وفلان اندى صوتا عن فلان أى أبعد مذهباً وأرفع صوتاً.''

''کہ نداء کے معنیٰ بلند آواز سے پکارنے کے ہیں اور فلان أندی صوتاً من فلان کا معنیٰ ہے کہ فلاں کی آواز فلاں سے بلند اور دوررس ہے۔'' (لسان العرب ج۲،ص۱۸۷، ط بولاق)

اور صاحب مجمع بحارالانوار لکھتے ہیں (اندی صوتا أی أرفع و أعلی) کہ اندی صوتا کا معنیٰ بلند اور اونچی آواز والا ہے۔ (مجمع بحارالانوار، ج۳،ص۳۴۵، طبع نولکشور)

اور خود قرآن حکیم میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ نداء بلند آواز کو کہتے ہیں:

چنانچہ سورہ ہود میں اللہ لم یزل نے حضرت نوح اور ان کے بیٹے کا مکالمہ نقل کیا ہے اور اس کی ابتداء اس لفظ سے ہوئی ہے کہ:﴿ونادی نوح ابنه...﴾ الخ اورنوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ کنارے پہ تھا کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کا ساتھ نہ دو۔

اسی طرح سورۂ اعراف میں اصحاب الجنۃ، اصحاب الاعراف اور اصحاب النار کی آپس کی بات چیت کو بھی بلفظ نداء ہی ذکر کیا ہے:

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ﴾

اور

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الأَعْرَافِ رِجالا.﴾

اور

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ﴾

کہ جنتیوں نے دوزخیوں کو کہا اور اعراف والوں نے دوزخیوں کو پکارا اور دوزخیوں نے جنتیوں سے سوال کیا اور ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے بات، سوال اور مخاطب بغیر آواز بلند کئے ہوئے نہیں ہوسکتی، اس لئے اس بات کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نداء کے معنیٰ بآواز بلند پکارنے کے ہیں اور اسے ماننے کے بعد یہ بھی قطعاً ماننا پڑے گا کہ مولانا عثمانی نے آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ﴾ الخ کا جو ترجمہ کیا ہے اور اس سے جو مفہوم اخذ کرنا چاہا ہے وہ بالکل غلط ہے ورنہ کلام باری کو (عیاذ باللہ) باہم متضاد و متناقض کہنا پڑے گا۔

معافی چاہ بے ادبی سے اپنی

اور اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن حکیم میں کوئی حکم وارد ہو اور مبین قرآن

اور حامل وحی ﷺ اس کے خلاف کریں، حالانکہ آمین بلند آواز سے کہنا نہ صرف یہ کہ خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے بلکہ آپ نے اپنے صحابہ کو اونچی آواز سے کہنے کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ (وَلاَ الضَّالِّيْنَ) قَالَ آمِيْنَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ"

(رواه ابو داؤد)

"رسول اکرم ﷺ جب ولا الضالین پڑھ لیتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کیا۔"

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَالَ (غير المغضوب عليهم ولاالضّالّين) قال آمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ." (رواه ابو داؤد)

"رسول اللہ ﷺ غیر المغضوب علیهم و لاالضالین پڑھنے کے بعد اس زور سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی۔"

یہ روایت بھی سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔

ابن ماجہ میں جو روایت آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"كان رسول الله ﷺ إذا قال (غير المغضوب عليهم ولاالضالين) قال آمين حتى يسمعها أهل الصف الأول فيرتج بها المسجد." (رواه ابن ماجة)

"رسول اللہ ﷺ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین پڑھنے کے بعد اس زور سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی۔"

اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد عطاء رحمہ اللہ جو بلند پایہ تابعی ہیں فرماتے ہیں:

"أدركت مائتين من الصحابة فى هذا المسجد إذا قال الإمام (ولاالضالين) سمعت لهم ضجة بآمين." (رواه البيهقي)

"میں نے نبی ﷺ (فداہ اُبی واُمی) کے دوسو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا کہ وہ امام کے

ولا الضالین کہنے کے بعد بلند آواز سے آمین کہتے۔" (امام بیہقی نے اسے روایت کیا ہے۔)

اور صحیح ابن حبان میں ہے:

"أدركت مائتين من أصحاب النبی ﷺ فی هذا المسجد، یعنی مسجد الحرام. إذا قال الإمام ولا الضالین رفعوا أصواتهم بآمین."

"عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد - یعنی مسجد حرام - میں (بیت اللہ) میں دوسو صحابہ کو پایا کہ جب امام والا الضالین پڑھ لیتا تو وہ بآواز بلند آمین کہتے۔"

اور صحابہ کا بلند آواز سے آمین کہنا اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اپنے کانوں سے ناطق وحی کو آمین بالجہر کہتے سنا تھا، اور نہ صرف یہ بلکہ انھیں یہ فرمان مصطفوی یاد تھا:

"إذا قَالَ الإمَامُ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عليهِمْ ولا الضَّالِّيْن) فقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلائِكَةِ غُفِرَ لَهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه"

(رواه البخاری فی جهر المأموم بالتامين)

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ جس کی بات فرشتوں کی بات سے مل گئی اس کے اگلے گناہ معاف کردیئے گئے۔"

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب "مقتدی بآواز بلند آمین کہے" میں روایت کیا ہے:

شارح بخاری امام قسطلانی اور شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آمین بالجہر کہنے کا حکم آیا کیونکہ:

"والقول إذا وقع به الخطاب مطلقا حمل على الجهر ومتى أريد به الإسرار و حديث النفس قيد به ذلك." (قسطلانی وفتح الباری)

"کہ قول کے لئے جب صیغہ مخاطب مطلقاً آئے تو اس سے مراد قول بالجہر ہوتا ہے اور جب قول سے مراد قول مخفی یا دل کی بات ہو تو اس وقت قول کے ساتھ کوئی قید بھی ہوتی ہے۔"

اللہ گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است
گناہ گبر و مسلماں بہ جرم ما بخشند

اور یہ تو آمین کے بارے میں ہے جس کے دعا ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے

اور جسے خود احناف کے اہم متبوع امام ابوحنیفہ دعا نہیں کہتے، جیسا کہ شیخ الاسلام بکر المعروف خواہر زادہ نے شرح مبسوط میں ذکر کیا ہے:

''وروی عن أبی حنیفة رحمه الله أنه قال لایؤمن الإمام بآمین إنما یقوله المأموم و ذلک لأن الإمام داع والمأموم مستمع و إنما یؤمن المستمع لا الداعی کما فی سائر الأدعیة خارج الصلاة.''

''امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امام آمین نہ کہے صرف مقتدی کہے کیونکہ امام دعا مانگنے والا ہے اور مقتدی سننے والا دعا مانگنے والا آمین نہیں کہتا بلکہ سننے والا کہا کرتا ہے جیسا کہ تمام ادعیہ میں معمول ہے۔''

اور تقریباً یہی روایت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی حنفی نے بیضاوی کے حاشیہ میں درج کی ہے اور دیگر بہت سے علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ آمین دعا نہیں بلکہ خاتمہ دعا ہے جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ اور ابوداؤ میں حضرت زہیر اور تفسیر بیضاوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اور طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کا بھی یہی نظریہ ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو ان ادعیہ کو بآواز بلند پڑھنا بھی ثابت ہے جن کے دعا ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں، چنانچہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف میں ہے:

''عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ کنا مع رسول اللهﷺ فِي الْخَنْدَقِ وهم یحفرون وَ نحن نَنْقُلُ التُّرابَ عَلٰی أَکْتافِنا فَقالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ لاَ عَیْشَ إِلاَّ عَیْشَ الآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْمُهاجِرِیْنَ وَالْأَنْصارِ.''

''سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں حاضر تھے کچھ لوگ کھدائی کرر ہے تھے اور ہم کھدی ہوئی مٹی کو کندھوں پر اٹھائے ڈھور ہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے اللہ زندگی آخرت کی زندگی ہے تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔''

اور ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کی دعا کے الفاظ اس طرح آتے ہیں:

اللّٰهم ان العیش عیش الآخرة　　فاغفر للأنصار والمهاجرة

اور بخاری شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے حضرت براء رضی اللہ فرماتے ہیں:

”كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ التُّرَابَ. يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى أَغْمَرَ بَطْنَهُ أَوِ اغْبَرَّ بَطْنُهُ يَقُولُ:

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ أَبَيْنَا أَبَيْنَا“

وفي رواية يمد بها.

”کہ نبی ﷺ غزوہ خندق پر خود مٹی ڈھو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کا بدن مبارک خاک سے اٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اگر خدا کی رہنمائی نہ ہوتی تو ہم راہ راست پر نہ آسکتے، اور نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے، اے اللہ ہم پر اپنی سکینت نازل فرما اور جنگ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ، ان لوگوں (کفار) نے ہم پر زیادتی کی ہے اور انھوں نے ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنا چاہا تو ہم نے انکار کردیا، (حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) آخر میں حضور ﷺ آواز کو بلند کردیتے تھے۔“

اور غزوہ خیبر میں کچھ اس قسم کی دعا آپ نے حضرت عامر بن اکوع سے سنی اور فرمایا ”یرحمہ اللہ“ (یعنی حضرت عامر اس غزوہ میں شہید ہوجائیں گے، تفصیل کے لئے صحیح مسلم غزوہ خیبر روایت مسلمہ بن الاکوع۔)

اور اگر اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کی اور دعاؤں کے متعلق معلوم کرنا ہو تو صحاح کو اٹھا کر دیکھ لیں، بیسیوں روایات مل جائیں گی، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بلند آواز سے دعا مانگا کرتے تھے، اور خصوصاً حضرت ربیعہ، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بیشمار ایسی مرویات ہیں کہ انھوں نے فلاں دعا سرور کائنات سے نماز تہجد میں سنی اور فلاں نماز عشاء میں اور فلاں فلاں نماز میں، اگر مولانا عثمانی کے قول کے مطابق دعا بلند آواز سے ممنوع ہوتی تو آنحضرت ﷺ اونچی آواز سے دعا کیونکر مانگ سکتے تھے؟ یا کیا مولانا کے نزدیک صاحب نشیمن جبریل امین کو اس حکم کا علم نہیں ہوسکا؟

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گفتم

مولانا عثمانی نے اہل حدیث کے خلاف الزام تراشی کی رو میں بہہ کر یہ نہیں سوچا کہ ان کے ایک بے اصل دعویٰ و دلیل کی زد کس کس پر پڑے گی، حالانکہ ان جیسے فاضل انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے تھا کہ اہل حدیث کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ ان کے مسلک ومشرب میں کسی خانہ ساز چیز کا کوئی وجود نہیں، اوران کی ہر بات براہ راست قرآن وسنت کے چشمہ صافی سے ماخوذ ہوتی ہے، ہم پوری دنیا کے علماء وفقہاء کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ مسلک اہل حدیث کی کسی چیز کو بھی خلاف قرآن وسنت ثابت کرکے دکھلا دیں، اور ہم پورے وثوق اور اطمینان قلب سے کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی فرد ان کی کسی ایک بات پر بھی انگلی رکھ کر نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز تمہارے نہاں خانہ دماغ کی تخلیق ہے اور قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بقدر وسعت مشرب بہر کس جرعہ می دادند
تو در پیمانہ مے داری و من خون جگر دارم

مولانا نے اہل حدیث کے خلاف مقدمہ آمین بالجہر کو ممنوع ثابت کرنا چاہا تھا کہ قرآن کریم میں دعا بالجہر سے روکا گیا ہے، اور ہم نے آمین بالجہر اور بلند آواز سے دعا مانگنے کا نہ صرف ثبوت مہیا کردیا ہے بلکہ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ بآواز بلند دعا مانگنا انبیاء و مرسلین اور خود خاتم النبیین سید المرسلین کی سنت ہے۔

کہ آتشے کہ نمرد ہمیشہ در دل ماست

مولانا نے اہل حدیث کو بلند آواز سے آمین کہنے پر قرآن سے ناواقف بتلایا تھا، حالانکہ خود مولانا کی قرآن سے ناواقفی کا یہ عالم ہے کہ انھیں قرآن کریم کی اس آیت کا علم تک نہ ہوسکا جس میں باری تعالیٰ نے دعا میں بہت زیادہ بلند اور بالکل پست کے درمیان آواز کو اختیار فرمانے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِکَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيلاً.﴾

(الاسراء/۱۱۰)

''دعا میں آواز نہ بہت زیادہ بلند کرو اور نہ بالکل پست بلکہ درمیانی آواز سے دعا مانگو۔''

اور صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے حرم رسول اللہ ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں:

"أنزل ذلک فی الدعا"

یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری کتاب التفسیر)

اور امام ابن کثیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد کہتے ہیں:

"کذا قال مجاهد وسعید بن جبیر و أبو عیاض و مکحول و عروة ابن الزبیر."

"کہ امام مجاہد، سعید بن جبیر، ابوعیاض، مکحول اور عروہ بن زبیر کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" (ابن کثیر ص ۱۵)

کیا فرماتے ہیں مولانا عثمانی، کون ناواقف ہے اور کون نہیں، اور قرآن پر کس نے عمل کیا ہے اور کس نے نہیں؟

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

اور کبھی تو ابن ہمام ایسے زبردست حنفی عالم وفقیہ اور امام نے لکھا ہے کہ "اگر آمین کے بارے میں مجھے فیصلے کا اختیار ہوتا تو میں ان مختلف روایات کے درمیان یوں تطبیق دیتا کہ ان روایات سے مراد جن میں آہستہ آواز سے آمین کہنا منقول ہے یہ کہ آواز بہت زیادہ بلند نہ ہو اور بلند آواز والی احادیث سے مراد نرم اور گداز آواز ہے اور اس کی تائید ابن ماجہ میں مروی وہ حدیث کرتی ہے جس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کے بعد آمین اتنی آواز سے کہتے تھے کہ اسے پہلی صف والے سن لیتے اور اس سے مسجد میں گونج سی پیدا ہو جاتی جس طرح کہ دریا میں بولنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس طرح مساجد میں دیکھا جاتا ہے، بخلاف اس کے کہ آمین بڑے زور سے کڑک کر کہی جاوے۔

اور اس کے بعد اپنا فیصلہ بھی صادر فرما دیتے ہیں:

"وعلی هذا فینبغی أن یقال علی هذه الوجه لا یقرع کما یفعله بعضهم"

"بنابریں آمین درمیانی آواز سے کہنا چاہئے نہ کہ زور سے کڑک کر کہ جس طرح بعض لوگ کہتے ہیں۔" (فتح القدیر، ص ۱۱۷، ج ۱، ط۔ نوالکشور)

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

اوراسی لئے تو مولانا عثمانی کی مسلمہ شخصیت مولانا عبدالحی لکھنوی التعلیق المجد شرح مؤطا امام محمد میں فرماتے ہیں:

"والإنصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل."

''اورانصاف کی بات یہ ہے کہ آمین کا اونچی آواز سے کہنا بلحاظ دلیل قوی ہے۔''

اور مولانا عبدالعلی نے یہاں تک کہہ دیا ہے:

"وأما الإسرار بالتأمين فهو مذهبنا لم يرو إلا ماروى الحاكم عن علقمة بن وائل عن أبيه وهو ضعيف جدا." (الارکان الأربعة)

''ہمارا مسلک آمین پست آواز سے کہنا ہے اوراس کی تائید میں اس روایت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جسے امام حاکم نے علقمہ بن وائل کے واسطے سے روایت کیا ہے لیکن وہ روایت بھی بالکل ضعیف ہے۔''

ناصحا دل میں ہی اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

اگر مولانا عثمانی اب بھی اس بات پر مصر ہوں کہ بآواز بلند دعا کرنا منافی قرآن ہے تو مندرجہ بالا دلائل سے قطع نظر اس کا جواب کیا دیں گے اور خود ان کے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد کی پوزیشن کیا ہوگی، کہ وہ بھی اونچی آواز سے دعا کے قائل وآمر ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں قنوت کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

''فعن محمد يقنت الإمام ويسكت المقتدى ويجهر به .. ثم هل يجهر الإمام به؟ اختار أبويوسف.''

''امام محمد کے نزدیک دعائے قنوت کی صورت یہ ہے کہ امام دعا کرے اور مقتدی خاموش رہے اور امام دعائے قنوت اونچی آواز میں پڑھے اور امام یوسف کے نزدیک بھی پسندیدہ یہی ہے کہ امام دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھے۔'' (فتح القدیر،ص ۱۸۳،ج ۱،ط۔نولکشور)

آئینہ ماروئے ترا عکس پذیر است
گر تو نہ نمائی گناہ از جانب مانیست

اورتلبیہ کے بارہ میں تو علماء احناف کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ اسے بلند آواز سے پکارنا چاہئے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ہدایہ میں ہے:

"ویکثر التلبیة عقب الصلاة... ویرفع صوته بالتلبیة."

''اورنمازوں کے بعد بکثرت لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک کہےاور تلبیہ پکارتے وقت آواز بلند کرے۔''(ہدایہ باب الاحرام کتاب الحج)

میر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

اور پھر مساجد احناف میں امام وخطیب خطبۂ جمعہ میں کیوں بالالتزام بآواز بلند ادعیہ پڑھتے ہیں اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا منگواتے ہیں، کیاان کا یہ فعل آیت﴿أدعوا ربکم﴾ الخ کے منافی تونہیں۔

أحب مناجاة الحبيب بأوجه
ولكن لسان المذنبين كليل

اور تو اور خود سورہ فاتحہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دعا ہے جیسا کہ مبسوط کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے اگر اونچی آواز سے دعا کرنا ممنوع ہی ہے تو پھر سورہ فاتحہ کو بلند آواز سے کیوں پڑھا جاتا ہے۔

تلقین درس اہل نظر یک اشارت است
کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

......پھراس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بحمد اللہ

مسئلہ رفع الیدین

بسلسلۂ احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر!

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ آراء تصنیف ''تذکرہ'' میں ہمارے دوستوں کے طرز عمل کی کیا خوب منظرکشی کی ہے:

''اسی طرح کتب فقہ وواقعات وفتاوی وحوادث کی بے شمار تفریعات ومحدثات فقہیہ ہیں جن سے قدماء وائمہ کو کوئی تعلق نہیں، مگر بے تکان لکھ دیا جاتا ہے کہ کذا عند أبی حنیفة و کذا عند فلان. اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی کسی قراردادہ اصل کی بنا پر یہ تفریع ہے اور فلاں اصل جو ہم نے ان کی ٹھہرالی ہے، اس کی بنا پر یہ جزئیہ متفرع ہوتا ہے، حالانکہ تفریع خود ان کی ساختہ وپرداختہ ہے اور امام کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی تخریج در تخریج وتفریع در تفریع وقیاس درقیاس واستنباطات رائیہ چند در چند...... کتاب وسنت کی مصیبت عظمیٰ ورزیت کبریٰ ہے جس کی وجہ سے قرناً بعد قرنٍ ونسلاً بعد نسلٍ سخت وشدید غلطیاں بلکہ گمراہیاں واقع ہوتی رہیں، اور کارخانہ شرع میں فساد عظیم رونما ہوا، ازاں جملہ یہ کہ ناواقف عند أبی حنیفة دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ فرع امام ابوحنیفہؒ کا بعینہٖ مذہب ہے۔ جب مسئلہ عشر فی العشر اورتحریم اشارہ فی التشہد، و کراہت رفع الیدین عندالرکوع، وکراہت آمین بالجہر، واقتداء خلف مخالف، وعدم وجوب طمانیہ، ووجوب لزوم وتعین وغیرہا کہ نسبت صاف دیکھ رہے ہیں کہ صریح تصریحاتِ کتب اصول وموطا وجامع وغیرہ کے خلاف لکھا جارہا ہے، حتی کہ بعض کوتاہ آستینانِ فقاہت کی دراز دستیاں یہاں تک بڑھیں کہ رفع الیدین عندالرکوع اور اشارہ فی التشہد کو فعل کثیر کہتے ہوئے بھی نہ شرمائے، تو پھر اور باتوں کے لئے ان کا ہاتھ پکڑنے والا کون تھا؟

دراز دستی ایں کوتہ آستینان بین

اور یہ تو فروعات کا حال ہے لیکن کاش معاملہ اس سے آگے نہ بڑھتا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جوں جوں نصوصِ سنت کے معارضات بڑھتے گئے اور بحث ومناظرہ کا میدان وسیع ہوتا گیا،

ساتھ ساتھ نئے اصول وقواعد بھی بنتے گئے کہ اگر قاعدہ بن گیا تو ایک ہی ڈھال پر سارے وار روک لئے جائیں گے۔ حالانکہ حضرت امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کو ان اختراعی اصول وقواعد کا وہم و خیال بھی نہ گذرا ہوگا بلکہ ان کی تصریحات بینہ ان کے خلاف موجود ہیں۔ یہ جو مسلمہ قواعد ٹھہرا لئے گئے ہیں کہ:

الخاص مبين فلا يلحقه البيان.

(تاکہ اس سے نماز میں فرضیت فاتحہ کو رد کیا جا سکے اور:)

الزيادة على الكتاب نسخ فلا يكون الا باية ناصة او حديث مشهور ناص......

(یہ قواعد ہیں جنھیں صحیح احادیث کے ٹھکرانے کے لئے گھڑ لیا گیا ہے۔)

تو ان میں سے کون سا قاعدہ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ یا صاحبین کا ٹھہرایا ہوا ہے؟ لیکن یہ سب کچھ انہی کی جانب منسوب ہے اور ہزاروں مدعیان تفقہ وعلم، ومشغولین درس وتدریس منارو ہدایہ ہیں جن کو اس کی خبر بھی نہیں، حتیٰ کہ بعض دانشمندوں نے تو ایک ہی قاعدہ بنا کر سارے جھگڑے چکا دیئے:

"إذا كان في المسئلة قول لأبي حنيفة و صاحبيه و حديث يحكمون بصحته، وجب اتباع قولهم دون الحديث، لأنا نظن بأبي حنيفة و صاحبيه أنهم عارضوا الحديث مع صحته و صحة الإستنباط منه."

یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح ایک طرف ہو اور دوسری طرف اس کے خلاف امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا قول، تو واجب ہے کہ حدیث کو چھوڑ دیا جائے اور قول امام ہی کی پیروی کی جائے کیونکہ آخر کوئی تو بات ہوگی جس کی وجہ سے انھوں نے ایسا کیا!

تو کیا یہ قاعدہ بھی اس وجود گرامی کا قرار دادہ ہو سکتا ہے جس نے اپنی ساری عمر مقدس اس صدائے حق کے اعلان وتکرار میں بسر کر دی کہ:

اتركوا قولي لخبر الرسول صلى الله عليه وسلم.

(میری بات کو رسول مقبول ﷺ کی بات کے مقابلہ میں ترک کر دو۔)

اور کیا اس طرح کے قواعد کا ان لوگوں کو گمان بھی گذر سکتا تھا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ:

إذا صح الحديث فهو مذهبي

اور

فاضربوا بقولي الحائط.

(جب صحیح حدیث آجائے تو وہ میرا مذہب ہے اور میرا قول اس کے مقابلہ میں دیوار پر دے مارو)

فأين الثريا و أين الثرى

یہی وجہ ہے کہ محققین اہل سنت وائمہ سلفیہ اس پر متفق ہوئے کہ تمام ائمہ سلف کا دامن علم وعمل بدعت حیل سے پاک ہے اور جتنی باتیں ان کی نسبت سے کہی جاتی ہیں یا تو ان کی بنا یہ ہے کہ ان ائمہ کی کسی اصل کو لے کر اس پر خود غلط در غلط و ظلمات بعضها فوق بعض متاخرین نے تفریعات کی ہیں، اور یا بندگانِ الٰہی کو گمراہ کرنے کے لئے از راہِ مکر و تلبیس اپنی حیلہ تراشیوں کو ان کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

جب یہ بندگان نفس خدا کو دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے کہ یہی حقیقت بدعت حیل کی ہے تو ظاہر ہے کہ انسانوں کو دھوکا دینے اور ان پر افتراء کرنے میں ان کو کیا باک ہوسکتا ہے؟

(تذکرہ ابوالکلام آزاد، ص ۹۹، ۱۰۱)

بعینہٖ مولانا عثمانی کا یہی عالم ہے جس کا نقشہ مولانا آزاد نے مندرجہ بالا سطور میں کھینچا ہے کہ وہ رفع الیدین کو فعل کثیر ظاہر کر کے اس کے کرنے کو قرآن حکیم کی آیت:

﴿وقوموا الله قانتين﴾

اور

﴿الذين هم في صلاتهم خاشعون﴾

کے مخالف بتلاتے ہیں، اور اس وقت ان کے دل میں رب العزت والجلال کا ذرا سا ڈر اور خوف بھی باقی نہیں رہتا کہ کس طرح وہ رسول اکرم ﷺ کی ایک سنت کی پائمالی کی خاطر کلام باری کو خود ساختہ معنی دے رہے ہیں، اور صرف قول امام کی خاطر جس کی صحت نسبت بھی یقینی نہیں

قرآن کو من مانا مفہوم عطاء کرر ہے ہیں، مولانا آزاد کے ان الفاظ کو ذرا دوبارہ ملاحظہ فرمائیے:

''جب یہ بندگان نفس خدا کو دھوکا دینے سے باز نہیں آتے ...... تو ظاہر ہے کہ انسانوں کو دھوکا دینے اور ان پر افتراء کرنے میں ان کو کیا باک ہوسکتا ہے۔''

يَـامَنْ تَـقَـاعَـدَ عَـنْ مَـكَـارِمِ خُلُقِـهِ
لَيْـسَ التَّـفَـاخُـرُ بِـالْـعُـلُـوْمِ الْفَاخِرَةُ
مَـنْ لَـمْ يُهَـذِّبْ عِـلْـمُـهُ اَخْلاقَـهُ
لَـنْ يَـنْـتَـفِـعُ بِـعُـلُـوْمِـهِ فِـيْ الْآخِـرَه

وگرنہ رفع الیدین کے بارے میں اس قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ شاید ہی کسی دوسرے مسئلہ میں ہوں، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خاتم النبیین ﷺ جن کی عصمت وحفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے، کا کوئی ادنیٰ اور معمولی سا فعل بھی فرمان باری کے خلاف ہو، جب کہ کتاب اللہ کے بعد دیگر کتب حدیث صحاح وسنن وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے، فاروق اعظمؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''رأيت رسول الله ﷺ إذ افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي منكبيه و قبل أن يركع وإذا رفع من الركوع''

(اخرجه الستة ومالك ومحمد و الدارمي والدار قطني والبيهقي وغيرهم)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے۔''

(اس حدیث کو امام بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، دارقطنی، دارمی، اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔)

اور یہ اس پایہ کی حدیث ہے کہ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینی اس کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

هـذا الـحـديـث حـجة عـلى الخلق كل من سمعه فعليه أن يعمل به لأنه ليس في اسناده شيء.

کہ یہ حدیث پوری دنیا پر حجت ہے، ہر وہ شخص جس کو اس حدیث کا علم ہوگیا اس پر واجب ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی جرح وقدح نہیں۔

(تلخیص الحبیر لابن حجر ص۸۱، ط دہلی۔)

دوسری روایت میں ہے، مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَ إِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ."

"رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے، اور اسی طرح رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔"

(اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس حدیث کے ایک اور راوی حضرت ابوقلابہ نے جو بلند مرتبہ تابعی تھے، صحابی رسول ﷺ حضرت مالک بن الحویرث کو نماز میں دیکھا کہ وہ تکبیر تحریمہ اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے، اور پھر نماز سے فارغ ہوکر انھوں (حضرت مالک بن الحویرث) نے فرمایا:

"أن رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا."

"کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔"

(یہ حدیث بھی مسلم شریف میں موجود ہے۔)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ انھوں نے خلیفۃ الرسول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ اور رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کی اور نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ:

"صليت مع رسول الله ﷺ وكان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع." (اخرجه البيهقي في سننه وقال رجاله ثقات)

"میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ افتتاح نماز اور رکوع جاتے

ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔"

(اس روایت کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں)

اور اسی طرح خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"عن رسول الله ﷺ أنه كان إذا قام إلى الصلاة المكتوبة كبر و رفع يديه حذو منكبيه ويصنع مثل ذلک إذا قضى قراء ته و أراد أن يركع ويصنعه إذا رفع من الركوع ولا يرفع يديه في شيء من صلاته و هو قاعد وإذا قام من السجدتين رفع يديه كذلک و كبر." (رواه أبو داؤد والترمذي وقال حسن صحيح)

"رسول اکرم ﷺ جب فرض نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں تک اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماتے اور اسی طرح جب قرأت مکمل فرما لیتے اور رکوع میں جانا چاہتے تو رفع یدین فرماتے اور رکوع سے فارغ ہو کر سر اٹھاتے تو پھر رفع یدین فرماتے اور اس کے علاوہ دیگر حالتوں میں رفع یدین نہ فرماتے اور جب دو رکعتوں کے بعد تشہد فرما کر اٹھتے تو اس وقت بھی رفع یدین فرماتے۔"

(اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"صليت مع رسول الله ﷺ فكان إذا كبر رفع يديه قال ثم التحف ثم أخذ شماله وأدخل يديه في ثوبه قال فإذا أراد أن يركع أخرج يديه ثم رفعهما إذا أراد أن يرفع رأسه من الركوع رفع يديه." (رواه ابو داؤد والنسائي)

"میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ ﷺ اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین فرماتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے اور چادر کے اندر کر لیتے پھر رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرتے۔"

یہ ہیں احادیث رفع یدین کی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود خواجۂ یثرب و والیٔ بطحا صلوات اللہ وسلامہ علیہ رفع یدین فرمایا کرتے تھے اور جس کو مولانا عثمانی صرف اہل حدیث کی

مخالفت کی بنا پر منافی قرآن بتلانے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ!
عشق کاریست کہ بے آہ فغان نیز کنند

اورنہیں جانتے کہ جس قدر احادیث مسئلہ رفع الیدین میں موجود ہیں اس قدر شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوں، اور بعض علماء کے نزدیک تو احادیث رفع یدین حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس قدر احادیث رفع یدین کے بارے میں آئی ہیں اس قدر کسی اور مسئلہ میں نہیں (تلخیص) لیکن ۔

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے تو ایک مستقل رسالہ ''جزء رفع الیدین'' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں تقریباً انیس اصحاب رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے کہ ان سے صراحۃً مروی ہے کہ وہ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے، اور ان صحابہ میں فاروق اعظم، حیدر کرار خادم رسول ﷺ انس بن مالک، ابن عم رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔

......پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

☆☆☆